ریحانہ آفتاب

اک حسن کی دیوی سے مجھے پیار ہوا تھا
دل اس کی محبت میں گرفتار ہوا تھا

طباع ولی بلیک جینز اور اک بلو بنیان میں ملبوس ٹاول سے بلیک گھنے گیلے بالوں کو رگڑ رہا تھا۔ گلابی لب ہولے ہولے گنگنا رہے تھے۔ گلاس ونڈو کے سائیڈز ہٹے ہوئے تھے جس سے سرد ہوا اٹھلاتی بل کھاتی اندر گھسے جا رہی تھی۔ وہ جیسے ہر احساس سے مبرا ہو گیا تھا۔ اس کے اندر اتنی تپش تھی، اتنی آگ بھڑک رہی تھی کہ اسے سرد ہوا کا احساس تھا نہ برف کے تودوں کا۔ وہ تو [illegible] ہتھیلیاں پھیلائے اس کی کالی بھنورا آنکھیں مری کی وادیوں سے لپٹ گئی تھیں۔ مگر سوچ کی اڑان کہیں دور محو پرواز تھی۔ اس کی حدت صدا سے یخ ماحول جیسے پگھل رہا تھا۔

یکطرفہ تھے حسن و محبت کے اشارے
اس نے بھی کبھی یار میرے بال سنوارے
اک پیڑ کے سائے میں جب اظہار ہوا تھا

کتنا کرب تھا اس کے لہجے میں، کتنی دکھن ہو رہی تھی دل کی جگہ پہ۔ آنکھیں بھی خیال سے سلگنے لگی تھیں۔

لب اب بھی ہولے ہولے سر بکھیر رہے تھے اور اس کا دل جیسے بند ہونے لگا تھا۔ لفظ کیا تھے کند چھری، جو دل کی رگیں کاٹ رہے تھے۔ وہ گنگنانے کا عمل بھی موقوف نہیں کر رہا تھا، جیسے خود کو اذیت دینا، زخم پہ موجود کھرنڈ کو کھرچنا اچھا لگ رہا ہو، زخم سے اٹھتی ٹیس لذت پہنچا رہی ہو۔

”ولی یار دیکھنا ذرا میری وہائٹ شرٹ تمہارے بیگ میں تو نہیں گھس گئی۔ شتر بے مہار کی طرح؟“ حجازی عمر عجلت بھرے انداز میں اندر داخل ہوا تھا۔ وہ بھی جینز اور بنیان میں ملبوس ”شرٹ ڈھونڈ“ مہم پہ نکلا ہوا تھا۔ شرجیل، اعیاز، حیدر، ذیشان سے ”حلف“ اٹھوا کر کہ انہوں نے شرٹ اغوا نہیں کی ہے اب وہ اس کے روم میں داخل ہوا تھا۔ انداز عجلت بھرا تھا۔ آج ان کے پندرہ روزہ ٹور کا آخری دن تھا اور اب سب کو اپنے اپنے گھروں کو جانا تھا۔ جہاں خوبصورت رستے تھے، اپنائیت تھی، محبت تھی۔ سب ہی افراتفری کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ شرجیل تو یہاں سے جانے کو تیار ہی نہیں تھا۔

”یار قدرت کی صناعی دیکھ کر میری دلی خواہش ہوتی ہے مجھے ایسی ہی حسین جگہوں پہ موت آئے۔ اور میری قبر یہ برفیلے پہاڑ ہوں یا سرسبز گلستان۔“

”او منحوس منہ بند کر اپنا۔ اتنی خوبصورت جگہ پہ قبر بنے تاکہ [illegible] آنے والے لوگ بجائے خوش ہونے کے تیری قبر پہ اظہار افسوس کریں۔ ان کی خوشیاں ملیا میٹ کرنے کا بہت اچھا طریقہ سوچا ہے تو نے۔“ حیدر نے اچھی خاصی خبر لی تھی اس کی۔

”یہ نظر باز چاہتا ہے مرنے کے بعد بھی حسین دوشیزائیں اس پر آہیں بھریں۔ کتنا خود غرض ہے تو۔؟“ شرجیل کی مسکراہٹ پہ ذیشان تپ کر بول اٹھا تھا۔

طباع ولی اب بھی ونڈو سے چپکا کھڑا تھا۔ حجازی کی صدا سماعت کے دریچوں سے ٹکرا کر لوٹ گئی تھی۔ سرد ہوا

سے جھرجھری لیتے حجازی عمر نے چند لمحے اسے سوچتی نظروں سے دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے جس نے طباع ولی کے جسم اور روح کے رشتے کو منقسم کر کے پل بھر کے لیے منقطع کر دیا تھا۔ اس نے قدم اس کی طرف بڑھائے اور اس کے نزدیک جا کھڑا ہوا۔ مگر طباع ولی کی محویت ٹوٹ کر نہیں دے رہی تھی۔ درد کے کرب سے وہی واقف ہوتے ہیں جنہوں نے خود درد کو سہا ہو، مگر کچھ لوگ اس قدر عزیز تر ہو جاتے ہیں کہ ان کا درد اپنا درد بن بیٹھتا ہے۔ حجازی عمر بھی طباع ولی کے لیے اتنا ہی دکھی تھا۔ سوچ کے پنچھی کی اڑان نجانے کہاں اڑانیں بھر رہی تھی۔ وہ فقط اس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔ جو شراروں کی طرح رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ آنکھیں غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھیں۔ مٹھیاں اضطرابی انداز میں بھنچی ہوئی تھیں۔ کہنیاں دریچے سے ٹکائے قدرے جھکا ہوا وہ اسے بے نیاز ان دیکھی اگن میں سلگ رہا تھا۔ اس کی کیفیت سے گھبرا کر حجازی عمر نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

"ولی!" ساتھ ہی شانے کو دبایا۔

حجازی کی صدا نے اس کی محویت کو توڑا۔

"ہوں۔" وہ سیدھا کھڑا ہو کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا اس طرح دیکھنا حجازی عمر کو تڑپا گیا۔

کسی بے وفا کی خاطر یہ جنوں فراز کب تک

بڑا ناصحانہ انداز تھا حجازی عمر کا۔ اس گھڑی طباع ولی کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایسی مسکراہٹ جو کسی نادان بچے کے لیے ہوتی ہے۔

وہ بے وفا ہے تو کیا ہوا مت کہو برا اس کو
جو ہوا سو ہوا خوش رکھے خدا اس کو

اس کا ضبط غضب کا تھا۔ کئی بار حجازی عمر نے بھی سراہا تھا۔ اب بھی اس نے خود کو قابو کر کے دلچسپ شعر میں جواب دیا تھا۔

"میرے لبوں سے تو صرف بددعا نکلی ہے۔"

"بری بات۔" اسے سرزنش کر کے وہ کھڑکی سے موجود

ہٹ گیا اور برش اٹھا کر بال بنانے لگا۔ سلائیڈ کھینچے حجازی عمر کی شاکی نظریں اس کی پشت پہ جمی تھیں۔

"تو بھول نہیں سکتا...؟"

"کیا، کیا بھولوں؟" گردن موڑ کر اس نے اپنی کالی بھنورا آنکھیں حجازی عمر کی آنکھوں میں گاڑ کر سوال کیا۔ اس گھڑی کرب اس کی آنکھوں میں آسمایا تھا۔ بدنصیبی کی تند و تیز ہواؤں نے اسے تھکا دیا تھا۔

حجازی عمر تاسف سے سر ہلا کے رہ گیا۔

"سچ ہے حجازی کبھی کبھی میرا دل شدت سے خواہش کرتا ہے کہ کاش یادداشت ختم ہو جائے میرا ذہن سلیٹ کی مانند صاف ہو جائے نیا نکور۔"

"شٹ اپ۔" اس کی بات پہ حجازی عمر غصے سے غرایا۔ اس کے غصے پہ وہ مسکراتے ہوئے اس تک آیا۔

"میرے لیے اتنے فکر مند مت ہوا کرو۔ خاصا ڈھیٹ ہوں، بڑے بڑے سانحے گزر گئے تب کچھ نہیں ہوا تو اب کیا ہو گا؟ کم آن چیئر اپ۔ آئم ایبسلوٹلی فائن۔ بلیوی پلیز۔" وہ اسے بہلا رہا تھا۔

"خوشی کی بات بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی خود ہی خبر ہو جاتی ہے اور اس بھونڈے انداز میں مجھے مت بہلایا کرو۔ تمہارے مزاج کے سب رنگوں، موسموں سے آشنائی ہے۔" وہ برا مان گیا۔

"اوکے بابا، سوری بس۔" اس نے اپنے کان کی لو کو خفیف سا کھینچا۔ وہ اس کے انداز پہ ہمیشہ کی طرح مسکرا دیا۔

"ارے یہ تم دونوں ابھی تک جینز، بنیان میں گھوم رہے ہو۔ واپسی کا ارادہ گول کر دیا کیا؟" چاروں اندر تشریف لا چکے تھے۔ شرجیل گویا تھا۔

"جی نہیں لوٹ کر ٹھکانوں پہ جانا ہے۔" اعیاز نے اس کے ارمانوں پہ اوس گرا دی۔

"بدھو گھر ہی کو جاتے ہیں۔" شرجیل نے چوٹ کی۔

"تم دونوں اسی حلیے میں جاؤ گے؟" ذیشان نے ان پہ تنقیدی نظر ڈالی۔

"کیا مضائقہ ہے۔" طباع ولی شوخی سے گویا۔ حجازی عمر کو بیڈ پہ اپنی وائٹ شرٹ نظر آگئی تھی وہ اٹھا کر پہننے لگا۔

"ولی! یار تم کو خدا کا واسطہ شرٹ پہن لو ورنہ قتل عام ہو جائے گا۔ "رف اینڈ ٹف" حلیے میں تم اور قیامت ڈھاتے ہو۔ رحم کرو کچھ ہم غریبوں پر۔" حیدر کی دہائی خاصی دردناک تھی اس نے زیر لب مسکرا کر مرر میں خود کو دیکھا، بلیک جینز اور اٹنگ بلو بنیان میں وہ واقعی غضب ڈھا رہا تھا جب کہ اس کی آنکھوں میں دھواں بھرتا جا رہا تھا۔

"بے فکر رہو میری پرسنالٹی پہ لڑکیاں اس وقت تک آہیں بھرتی ہیں جب تک وہ "حقیقت" سے بے خبر ہوتی ہیں۔" انداز خود اذیتی لیے ہوئے تھا۔

"ڈیٹس ناٹ فیئر ولی۔" ذیشان نے اس کے انداز پہ اسے گھر کا۔ حجازی عمر نے شاکی نظریں اس کے چہرے پر جما دی تھیں۔

اس گھڑی اس کے لبوں پہ بڑی مجروح مسکراہٹ تھی۔

☼ ☼ ☼

"سکس اسٹارز۔" ان کے گروپ کا نام تھا۔

حجازی عمر اور طباع ولی۔ نرسری میں تھے جب ہی ان کی دوستی ہو گئی تھی۔ طباع ولی کو اچھی طرح یاد تھا حجازی عمر پہلے دن بہت رو رہا تھا۔ بار بار اپنی ماما کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا تھا۔ اسے گھر جانا تھا۔ مس اور اس کی ماما اسے بہلا رہی تھیں، مگر وہ نئے ماحول سے گھبرا کر چیخ چیخ کے رو رہا تھا۔

"آؤ تم میرے پاس بیٹھو۔" (بیٹھو) طباع ولی نے حجازی عمر کا ننھا سا ہاتھ اپنے چھوٹے سے ہاتھ میں تھام لیا اور اسے ساتھ لے کر اپنے ڈیسک کی طرف بڑھنے لگا وہ بنا چون و چرا کیے اس کے ساتھ کھنچا چلا گیا۔ اسی دن سے دونوں کی دوستی کا آغاز ہوا تھا۔ دونوں نے میٹرک ساتھ کیا تھا۔ پھر ایک ہی کالج کا انتخاب کیا۔ حجازی عمر کا ارادہ کامرس کی فیلڈ میں جانے کا تھا، مگر

یاری میں اس نے بھی سائنس کی فیلڈ اپنائی تھی۔ اعجاز، شرجیل، ذیشان اور حیدر کالج میں ٹکرائے تھے۔ سو "سکس اسٹارز" کا قیام عمل میں آیا۔ ان کا گروپ نصابی، غیر نصابی سرگرمیوں میں اول نمبر پر تھا۔ گریجویشن کے چار سال بخیر و خوبی گزر گئے۔ کچھ دوستوں کے اسٹینڈرڈ بھی ہے مگر طباع ولی کو چھوڑ کر لڑکیوں میں وہ بددماغ، رُوڈ، مغرور ایسے القابات سے جانا جاتا تھا۔ یونیورسٹی میں بھی ان کے گروپ نے ایک جیسے سبجیکٹ سلیکٹ کیے تھے۔ طباع ولی کی یوں تو سب سے اچھی دوستی تھی لیکن حجازی عمر اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ ایجوکیشن کے بعد سب ہی پریکٹیکل لائف میں قدم رکھ چکے تھے۔

حجازی اپنا فیملی بزنس سنبھال رہا تھا۔ ذیشان نے ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرلی تھی۔ مزید کورس کے لیے کمپنی اسے سوئٹزرلینڈ بھیج رہی تھی۔ شرجیل اور اعجاز نے پرائیویٹ فرم میں جاب کرلی تھی۔ حیدر کا قیام آج کل لاہور میں تھا۔ اس کی کمپنی ایک ہی شاخ کراچی میں بنا رہی تھی۔ سب سے مل کر اسے واپس لاہور جانا تھا۔ رہ گئے طباع ولی۔ محترم کو ہوا کے دوش پہ سفر کرنے کا شوق چرایا تھا۔ موصوف نے ایئرلائن جوائن کرلی۔ پریکٹیکل لائف میں بزی ہونے کے باوجود "سکس اسٹارز" ہر چھ ماہ میں پندرہ دن کے لیے اپنی تمام مصروفیت پس پشت ڈال دیتے تھے۔ چونکہ ذیشان کو کورس کے لیے سوئٹزرلینڈ جانا تھا اور حیدر کا قیام لاہور میں تھا اور طباع ولی مستقل اسلام آباد میں مقیم تھا تو سب نے پاکستان ٹور کا پروگرام بنایا تھا۔ کئی بار وہ اکٹھے اپنے مرد دوستوں کی کمپنی میں قدرت کے حسین مناظر دیکھنے کے لیے ہر دم تیار رہتے تھے۔

کراچی ایئرپورٹ سے انہوں نے ایک ہی گاڑی لے لی تھی۔ ذیشان، حیدر، اعجاز، شرجیل کے بعد حجازی عمر بھی اتر گیا تھا۔ اب گاڑی میں فقط وہ اور ڈرائیور تھا۔ شام نے آنچل پھیلا رکھا تھا۔ ٹریفک کا اژدہام اور چلتے سائن بورڈ پیچھے بھی تو اس کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرا سکے۔ گاڑی کے اندر خاموشی دھیرے دھیرے چادر تان رہی تھی۔ درد ہولے ہولے پر پھیلا رہا تھا۔ اس بے وفا کا شہر آ گیا تھا۔ سب اتر چکے تھے لہٰذا اسے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے خود کو بے رحم سوچوں کے حوالے کردیا۔ جب تک وہ سب ساتھ تھے گاڑی میں ان کے قہقہوں کی گونج تھی۔ انہوں نے ڈرائیور کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔ اب گاڑی میں ہولناک سناٹا تھا۔ خاموشی سے گھبرا کر ڈرائیور نے اسٹیریو آن کردیا۔ غلام علی کی پُراثر آواز نے دلوں کو گرفت میں لے لیا۔

چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

اس کی پلکوں میں اک لمحے کو لرزش ہوئی مگر اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

بڑا دلکش بڑا رنگین ہے یہ شہر کہتے ہیں
یہاں پر ہیں ہزاروں گھر گھروں میں لوگ رہتے ہیں
مجھے اس شہر نے گلیوں کا بنجارہ بنا ڈالا

[illegible] بے دردی سے لب کچلتے۔

میں اس دنیا کو اکثر دیکھ کر حیران ہوتا ہوں
نہ مجھ سے بن سکا چھوٹا سا گھر دن رات روتا ہوں
خدایا تو نے کیسے یہ جہاں سارا بنا ڈالا

اندر سے زہریلی کھیں نکلتی جا رہی تھی۔ دل آہ و فغاں کررہا تھا۔ نالہ و فریاد میں [illegible]

میرے مالک میرا دل کیوں تڑپتا ہے سلگتا ہے
تیری مرضی تیری مرضی پہ کس کا زور چلتا ہے
کسی کو گُل کسی کو تُو نے انگارہ بنا ڈالا

[illegible] دل کی دھڑکن [illegible] بڑا کرب آمیز تھا اس گھڑی۔ بہت سارا پانی آنکھوں کے کناروں سے بہہ نکلا تھا۔

یہی آغاز تھا میرا یہی انجام ہونا تھا
مجھے برباد ہونا تھا مجھے ناکام ہونا تھا
مجھے تقدیر نے تقدیر کا مارا بنا ڈالا

اس وقت اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ اگر ڈرائیور نے [illegible] تو اس کا دل پھٹ جاتا۔

"آپ کو کہاں اتاروں سر؟" اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ ایک پل کو تو ڈرائیور بھی ڈر گیا۔ "ہوٹل [illegible]" بے پناہ انتشار سے کام لیا گیا تھا۔ آواز بھاری ہو رہی تھی۔ ڈرائیور نے جھنجلا کے اسے دیکھا۔

"وہاں سے تو ہم کب کے گزر گئے۔" اس کے مطلق اثر نہ ہوا۔ وہ آتی جاتی گاڑیوں کو اس انداز سے دیکھنے لگا جیسے زندگی کے "عظیم مظاہرے" ہوں۔ ڈرائیور کی جھنجلاہٹ دوچند ہوگئی۔ ناچار اس کو ایڈریس بتانا پڑا۔

"بنگلہ آف [illegible]" سیاہ گیٹ پہ گاڑی رکوا کر وہ اتر گیا۔ ڈرائیور نے اس عجیب و غریب مسافر کو دیکھا۔

اس نے شانے اچکا کر اس کی پشت کو دیکھ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

[illegible]
وہ جو ہر بار [illegible]
بارہا مجھ سے کہا تھا میرے یاروں نے وہی
عشق دریا ہے جو بچوں کو نگل لیتا ہے

"چاچو!" ابھی اس نے روش پہ قدم رکھا ہی تھا جب آٹھ سالہ صنم چلاتی ہوئی اس تک آئی۔ [illegible] اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ بیگ پیچھے رکھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس نے بانہیں پھیلا دیں۔ لبوں پہ بڑی خوبصورت مسکراہٹ تھی۔ نچلے لب کے وسط میں موجود سیاہ تل اس کی مسکراہٹ کو سب میں ممتاز بناتا تھا۔ صنم کے ساتھ سمیع اور سعد کی بھرپور کوشش تھی کہ سب سے پہلے وہ گلے لگیں۔ تینوں نے ایک ساتھ چڑھائی کردی تھی۔ زور کا دھکا لگا تھا۔ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی فرش پہ رکھ کر اس نے خود کو سنبھالا ورنہ پیچھے الٹ جاتا۔

"جان چاچو کیسے ہیں آپ لوگ؟" اس نے باری باری ان سب کو پیار کیا۔

"دو دن سے سمیع آپ کے لیے لو رہا تھا (رو رہا تھا)" سعد نے بردباری سے بتایا۔

"کیوں لو (رو) رہے تھے؟" اس نے اس کے لہجے میں سوال کرتے ہوئے پانچ سالہ سمیع کو بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"آپ تہاں (کہاں) تلے (چلے) گئے تھے؟"

"اب آ گیا ہوں نا۔" اس نے جھک کر سمیع کو چوم لیا۔ ملازم بیگ لے کر جا چکا تھا۔ سعد کو اٹھائے دالان میں چلا آیا۔ سب شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"السلام علیکم۔" اس کے سلام پہ سب نے کورس میں جواب دیا۔

"مل گئی فرصت؟" شجاع کا اشارہ بچوں کی طرف تھا۔ "آپ ہی کے فن پارے ہیں۔" شوخی سے کہہ کر وہ اسجد کے گلے لگا۔

"اسی لیے تو کہتی ہوں شادی کرلو تاکہ ہمیں بھی تمہارے "فن پارے" دیکھنے کی سعادت حاصل ہو۔" شجاع کا انداز شرارتی تھا۔ زبردستی کی مسکراہٹ سجاتے اس نے جواباً کہا۔

"مجھ غریب کی آزادی آپ کو اتنی بری کیوں لگتی ہے؟ آپ ایک عدد اور دیور رکھتی ہیں ذرا ان پہ بھی نظر

UrduPhoto.com
posted by Mina@oneurdu.com

ڈال لیں۔ موصوف خاصے اکھڑے ہوئے ہیں۔"

"بے بھائی اپنی لڑائی میں مجھ مسکین کو کیوں رگید رہے ہو۔" زین نے جیسے فریاد کی۔ باتھ ہوا میں لہرا کر دونوں نے ٹھیک ٹھاک کیا۔ "دیکھ رہے ہیں اسجد اک دیور "غریب" اور دوسرا "مسکین" ہے یا اللہ کیا یہی "غریب" "مسکین" رہ گئے تھے میرے لیے۔" شعاع کی دبی سی مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"آپ کیسی ہیں بانو؟" بظاہر لاپروا نظر آنے والی بانو کے مجھے چھو کر اس نے سعادت مندی سے احوال دریافت کیا۔ انہوں نے نخوت سے اس کا ہاتھ جھٹکے سے جھٹک دیا۔ لان میں موجود ہر ذی نفس اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ درد کنپٹیوں میں ٹھوکر مار رہا تھا۔

"جواد بولو نے تو آپ سے خیریت دریافت کی ہے۔ اتنا روڈلی بی ہیو کرنے کی تو کوئی بات نہیں تھی۔" زین کو ان کی بے نیازی بالکل اچھی نہیں لگی۔

"خبردار جو مجھ سے بدتمیزی کی۔" بانو نے توپ کا رخ زین کی طرف ہوا۔ زین جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ اس کا ارادہ بھانپ کر اس نے اس کے شانے کو دبا کر نفی میں سرہلایا۔

"پلیز زین۔" وہ بمشکل بول سکا۔ "زین آنے دو جواد کو میں تمہاری شکایت کروں گی۔ اور تم بھی کان کھول کر سن لو میں تمہاری بانو نہیں۔ ہٹو سامنے سے۔" بانو تن فن کرتی چلی گئیں اور نفرت کے گھنے جنگل میں اسے بھٹکتا چھوڑ گئیں۔ وہ ہمیشہ کی طرح دکھ کی اتھاہ میں ڈوب گیا۔ لب کچلتے ہوئے وہ لان میں کھیلتے بچوں کو دیکھ رہا تھا جو بڑا سا بال لے کر اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ اک پل کو اس کا جی چاہا وہ پھر سے بچہ بن جائے اور ان وحشت ناک سچائیوں سے منہ چھپا لے۔

یہ سچ ہے عشق نے مجھ کو چنچل تو دی
پر وہ مزہ کہاں جو تنہائیوں میں تھا

"حد ہوتی ہے کسی بات کی۔ دادو کا رویہ بدصورت ہے۔" زین تملا رہا تھا۔ ہم عمر ہونے کے باعث وہ اس کے قریب بھی بہت تھا۔ اسجد خاموش تھا۔ شعاع خاموشی سے طباع ولی کے لیے چائے بنا رہی تھی۔

"چھوڑو نا یار تم کیوں دل پہ لیتے ہو حالانکہ اب تک تو ہم سب کو بانو کے اس رویے کا عادی ہو جانا چاہیے تھا۔ لائیں بھابھی آپ کے ہاتھ کی مزیدار چائے پیے کئی دن ہو گئے۔" اس نے خود پر قابو پا کر کہا۔

"دادو کو تمہارے ساتھ ایسا سلوک زیب نہیں دیتا انہیں سوچنا چاہیے جو کچھ ہوا اس میں تمہارا کیا قصور تھا۔ ہے۔ بڑی ہیں اس لیے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔" "آپ بھائی شعاع کی تائید کی۔"

"بالکل۔" اسجد نے بھی اس کی تائید کی۔

"بانو مجھ سے نفرت کرتی ہیں تو کیا ہوا میں تو ان سے محبت کرتا ہوں نا۔ اور پھر اک بانو کے محبت نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے آپ سب محبت کا حق بڑی خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ بلیو می میں نے آپ لوگوں کو بہت مس کیا۔"

[illegible]

"ہائے اتنی حسین جھیلوں پہ شرجیل کی طرح میرا بھی دل چاہتا تھا میں مر جاؤں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" شعاع نے ڈانٹا۔

"ہم ہی چلے جاتے ہیں۔"

"بس یار یہ پرچائی وبال جان بن گئی ہے۔" زین کا انداز جھنجلایا ہوا تھا۔ اسے نہ جانے کا قلق ستا رہا تھا۔ سول سروس کا امتحان سے رہا تھا۔

"بے بھائی نہ ہوئی بیوی ہو گئی۔" شعاع چھیڑنے لگی۔

"بھائی سمجھائیں بھابھی کو جیسے آپ کو تنگ کرتی رہتی ہیں چاہتی ہیں مجھے بھی تنگ کرنے والی آ جائے۔" زین نے شوخی سے بھرپور بدلہ لیا اسجد مسکرایا۔

اسی اثنا میں گیٹ پہ گاڑی کا ہارن بجا۔ واچ مین نے گیٹ کھول دیا۔ گرے کار اندر داخل ہو گئی۔

جواد اور فاخرہ اس میں سے اترے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم۔" فاخرہ نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ "جیا جو جنم دینے والی نہ سہی اس کی پالنے والی تو تھیں۔"

"اتنے دن لگا دیے میری تو آنکھیں ترس گئی تھیں تمہاری صورت دیکھنے کو۔"

"جب ہی ماما نے تمہاری تصویر انلارج کروا کے اپنے بیڈ روم میں لگوالی ہے۔" زین نے اسے معلومات بہم پہنچائیں۔ وہ مسکرا دیا۔

"کیسے ہو بیٹا؟"

"خاصا ڈیشنگ ہے۔" جواد کے سوال پہ زین پھر بول پڑا۔

"اچھا ہوں۔" خیریت دریافت کر کے جواد چینج کرنے کے خیال سے اندر چلے گئے تھے۔ فاخرہ وہیں بیٹھ گئیں۔

"اتنے دن کیوں لگا دیے کیا ہم یاد نہیں آتے تھے۔" ان کا انداز ماں کا سا تھا اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

[illegible]

"صرف چائے پہ ٹرخا رہی ہو [illegible]

ہوں۔"

"جاؤ بیٹا فریش ہو جاؤ۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اپ سیٹ لگ رہا ہے خیریت؟" فاخرہ نے اس کے جانے کے بعد پوچھا۔

"دادو کے رویے سے بد گمانی ہوئی ہے تو ہو سکتی ہے بھلا۔" زین جل کے بولا۔

"ولی نے ایئر لائن جوائن کرنے اور اسلام آباد سیٹل ہونے کی خواہش ظاہر کی تو اماں کی وجہ سے ہی میں نے اجازت دے دی تھی کہ اچھا ہے اماں کی باتوں سے محفوظ رہے گا مگر۔ مہینوں بعد آتا ہے اور اماں پھر بھی باز نہیں آتیں۔" فاخرہ تاسف سے سر جھٹک کے رہ گئیں۔

❀ ❀ ❀

پھولوں کا بکھرنا مقدر میں تو تھا مگر

کچھ اس میں ہواؤں کی شرارت بھی بہت تھی

"ہیلو کیا ہو رہا ہے کیپٹن صاحب؟" زین دستک دے کر اندر داخل ہو چکا تھا۔ وہ آرام دہ حالت میں نیم دراز میوزک سے جی بہلا رہا تھا۔ اس نے اٹھ بیٹھ کر تکیہ پشت سے لگا لیا۔

کر رہا تھا غم جہاں کا حساب
آج تم یاد بے حساب آئے

زین بے تکلفی سے اس کے بیڈ پہ دراز ہو چکا تھا۔ اس کی بات سن کر لب بھینچ گئے۔

"اتنی فرصت نہیں ہے مجھے۔" اس نے بظاہر اسے ٹالا۔ ورنہ دل میں درد کے ٹانکے ادھڑ ادھڑ کھل گئے تھے۔

"یار ولی سنا ہے تم نے یونیورسٹی میں کسی سے دھواں دھار عشق فرمایا تھا پھر وہ کہیں کھو گئی مجازی نے مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا۔ مجھے تفصیل بتاؤ نا۔"

"چھوڑو اس بات کو کوئی اور بات کرو۔"

"او کے۔" اس کے چہرے پہ چھپے کرب نے زین کو موضوع بدلنے پہ مجبور کر دیا۔

"تمہاری فلائٹ کب ہے؟"

"منڈے کو لندن جا رہا ہوں۔"

"ویسے تم ہوا کے دوش پہ سفر کرتے ہو۔ ملکوں ملکوں گھومتے ہو۔ خوبصورت ایئر ہوسٹس سے ملاقات رہتی ہے تو کیسا لگتا ہے تمہیں؟"

"بقول بانو زمین میں رہنے والے شخص کو اونچی اڑان زیب نہیں دیتی۔" وہ اب خود اپنا مذاق اڑا رہا تھا۔

اس گھڑی زین کو وہ معصوم روٹھا ہوا بچہ لگا۔ جو لوگوں کے ناروا سلوک سے برگشتہ ہو گیا ہو۔

"ولی! پلیز یار دادو کی بات کو اہمیت نہیں دیا کرو ڈونٹ بی اموشنل۔" اس کا ہاتھ دبایا۔ وہ مسکرا دیا۔ بڑی مجروح مسکراہٹ تھی۔

"ایئر ہوسٹس تو تمہاری پرسنالٹی پہ فوت ہو جاتی ہوں گی۔" انداز چھیڑنے والا تھا۔

posted by Mina@oneurdu.com
UrduPhoto.com

"اس لیے کہ وہ "حقیقت" سے ناواقف ہوتی ہیں۔"

"شٹ اپ ولی۔ خود اذیتی کی بھی اک حد ہوتی ہے۔" زین چڑ کے اٹھ گیا۔

"سوری یار نجانے کیوں میں اتنا تلخ ہو جاتا ہوں۔" وہ شرمسار تھا۔ زین واپس بیٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو اک بھی شب نہ سو سکو گے
کہ لاکھ چاہو نہ ہنس سکو گے
ہزار چاہو نہ رو سکو گے
کہ خواب کیا ہیں عذاب ہیں یہ
میرے دکھوں کی کتاب ہیں یہ
رفاقتیں ان میں چھوٹتی ہیں
محبتیں ان میں روٹھتی ہیں
پنپتی ہیں ان میں وحشتیں سی
اذیتیں ان میں [illegible]
انہی سے لرزاں ہیں جذبے
انہی سے سانسیں بھی ٹوٹتی ہیں
غموں کی بندش ہیں خواب میرے
ابل رہا ہے جو آنکھوں کا لاوا
[illegible] آتش ہیں خواب میرے
خیال سارے جھلس گئے ہیں
سلگتی خواہش ہیں خواب میرے
اکھڑتی سانسیں ہیں زندگی کی
لہو کی سازش ہیں خواب میرے
جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو اک بھی شب نہ سو سکو گے

ہوٹل کے گرم کمرے سے اکتا کر وہ لندن کی شاہراہوں پہ بے مقصد پھر رہا تھا۔ نہ رستے کا علم تھا نہ منزل کا تعین۔ بس وہ چل رہا تھا۔ ٹانگیں شل ہو گئیں تو اک جگہ رک کر اس نے خود سے استفسار کیا وہ کیوں بھاگ رہا ہے؟ کس سے بھاگ رہا ہے؟ مگر جواب نہ ملا۔ بلیک جینز شرٹ اور مسٹرڈ لانگ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے جیسے اس نے خود سے بھاگنے پر خود کو سرزنش کی۔

"پپا!" ابھی چلنے کو اس کے قدم اٹھے ہی تھے جب ایک معصوم سی صدا سماعت میں گونجی، ساتھ ہی ننھے ننھے ہاتھوں کے لمس کا احساس ہوا۔ گردن موڑ کر اس نے اپنی ٹانگوں سے لپٹی بچی کو دیکھا۔ بے بی پنک اونی کپڑوں میں وہ خود بھی گلابی ہو رہی تھی۔ اس نے جھک کر ڈھائی سالہ بچی کو اٹھا لیا۔ اور بے ساختہ اس کے پھولے پھولے گالوں پہ پیار کرنے لگا۔

"شیفا ویئر آر یو؟" نسوانی آواز سماعت میں قیامت برپا کر گئی۔ اس نے جھٹکے سے سر موڑا تھا۔ اور پھر خود بھی کھو گیا۔ اس کا چین، قرار لوٹنے والی، اسے بے پناہ درد دان کرنے والی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ نام تو اس کا "وفا خان" تھا مگر بے وفاؤں کی لسٹ میں سرفہرست تھی۔ وہ بھی اسے سامنے دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔ اگلے ہی پل اس نے بچی کو اس سے چھین لیا اور سامنے بلڈنگ کے اندر داخل ہو گئی۔ طباع ولی اس دفعہ گیٹ کو تکنے لگا۔ آشنائی کی کوئی چمک اس کی آنکھوں میں نہیں تھی۔ کس اجنبیت بھرے انداز میں ملی تھی وہ، کوئی اک لفظ نہیں۔ اپنے کیے پہ کوئی پچھتاوا نہیں۔ ملال کا کوئی رنگ چہرے پہ نہیں تھا۔

"وہ شادی بھی کر لی؟ بچی بھی ہو گئی؟" اک ہی نہج پر سوچتے وہ پاگل ہونے لگا۔ نگاہوں نے جو دیکھا تھا دل اسے قبول کرنے سے انکاری تھا۔ حالانکہ وفا خان نے وفا کی دھجیاں اس وقت بکھیر دی تھیں جب وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ قریب سے گزرتی گاڑی کو اس نے اک خواب کے عالم میں اشارہ کیا تھا اور بوجھل قدموں سے گاڑی میں ڈھے گیا۔ احساس زیاں کی کسک بے کل کرنے لگی تھی۔ دل کرلا رہا تھا۔ "وہ کیا ہوا، وہ پیار؟ اقرار، ساتھ جینے مرنے کی قسمیں؟ وہ ہر حال میں اک دوجے کا ساتھ نبھانے کی قسمیں؟ وہ درختوں پہ نام لکھنا۔ سب دھواں دھواں ہو گئے۔ کچھ بھی تو نہیں بچا۔"

فضا اچانک ہی بوجھل ہو گئی تھی۔ تنگی جسم میں چبھ رہی تھی۔ دل سسکیاں بھر رہا تھا۔ وہ خوش تھی اور وہ بے کل۔ وہ شوہر بچی میں الجھ گئی تھی اور وہ گھنوں کا بنجارہ بن بیٹھا تھا۔ زبان تو اس کے حصے میں آئی تھا کہتے ہیں عورت پہلی محبت کو کبھی نہیں بھولتی۔ تو مرد کب بھولتا ہے۔ صرف مرد پہ یہ الزام تراشی کیوں؟ کیا وہ دل نہیں رکھتا؟ اس کے جذبات نہیں ہوتے؟ یا وہ انسان نہیں ہوتا؟ جذبات جس سے مشروط تو نہیں ہوتے۔ اس کے ساتھ تو یہی ہوا تھا۔ وہ سب بھول کر اک نئی ڈگر پہ گامزن تھی اور وہ اب تک ماضی کی دھند میں چھپا بیٹھا تھا۔

شدت عشق ہو تیری
عالم میں لاکے چھوڑ دیا

زیر لب شعر کہتے وہ کھولتے لاوے پہ بند باندھ رہا تھا۔ دل مضطرب کو بہلا رہا تھا۔ دل جانا کو ڈپٹ رہا تھا۔ دو دن کے مہمان اسے سوتا سوتا کر گئے تھے۔ پلٹ کر دیکھا تک نہیں تھا اور وہ اب تک ان کے لیے ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔

کتنی آرزو تھی اسے کہ کاش اک بار وہ اسے مل جائے اور آج وہ مل گئی مگر کس سرد مہری سے ملی تھی اور اسے تکلیف ہوئی تھی اس ملاقات پر۔ اس کے دیے بجھ چکے تھے اور اس سے انتقام وہ انگ انگ کو سلگا رہا تھا۔ نفرت و تغافل کی جگہ بہت کھولن تھی نگاہوں میں۔ وہ اس درد پہ قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

چار ماہ ہو گئے تھے اسے گھر گئے۔ فاخرہ خان سے مل کر دل جس طرح بکھر گیا تھا آج کل وہ اسے سمیٹنے میں لگا ہوا تھا۔ خود پہ بے انتہا غصہ تھا کیونکہ وہ ویرانے راگ الاپ رہا تھا؟ کیا وہ اس لائق تھی کہ اس کے لیے چین کھو دیا جاتا؟ بے قدروں پہ قربان کی جاتیں؟ یقیناً نہیں۔ اسے کوئی حق نہیں تھا اس کی یادوں میں رہنے کا۔ اس نے اسے یاد نہ کرنے کا عہد کر لیا۔

✿ ✿ ✿

"اس کے باپ کا خون گندا تھا، وہی خون اس کی رگوں میں ہے جسے تم نے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ تمہاری عقل پہ تو پتھر پڑے ہیں، فاخرہ۔" جہاں آرا بیگم فاخرہ سے ہم کلام تھیں۔ "میں بھی یہی کہتی ہوں مگر اسے میری بات سمجھ نہیں آتی۔ تم اس کی بھاوج ہو، تم ہی اسے سمجھاؤ۔" بیگم وقار نے اپنا دکھڑا رو دیا۔

"اس معصوم کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں آپ لوگ۔ چین سے جینے کیوں نہیں دیتے اسے؟ آپ سب کے بد صورت رویوں ہی نے اسے ہماری نظروں سے دور کر دیا ہے۔ مزید زندگی تنگ نہ کیجیے اس پہ۔ خدارا! انسانیت ہی کے ناتے اپنے رویوں کی بدصورتی پہ نظر ثانی کیجیے۔" وہ بھڑک اٹھی تھیں۔ جواد امجد، شجاع اور زین بھی وہیں پریشان تھے۔

"فاخرہ ٹھیک کہہ رہی ہے بھابھی، جو کچھ ہوا اس کی پاداش میں اس معصوم کو سزا دینا بڑے ظلم سے بلانا نہیں۔ اپنا نہیں دیتا۔ بہت محروم ہے وہ۔ آپ کو بھی تب ہی ترس آتا ہے۔" جواد بھی دکھی ہو رہے تھے۔

"زین کا دل بڑا ہے۔" بیگم وقار بولیں۔ "جنم میں نے نہیں دیا مگر اس کی پرورش تو کی ہے۔ آپ لوگ کیوں نہیں بھولتے کہ وہ کسی اور کی نہیں ہماری اولاد ہے۔ اس کے والد کے خانے میں بھی باپ کا نہیں جواد کا نام درج ہے۔" فاخرہ کا لہجہ دکھی اور زخمی تھا۔ "تم لوگ کچھ بھی کہو، میرا ارادہ اٹل ہے۔ زین کی شادی میری زویا سے اسی وقت ہو گی جب تم طلیعہ ولی کو اس گھر سے نکال دو گی۔ اس کے گندے خون کا سایہ۔"

"میں ابھی اتنی دیر سے چپ تھا تو صرف اس لیے کہ آپ بڑی ہیں۔ آپ کی عزت مجھ پہ واجب ہے۔ مگر آپ مسلسل فضول باتیں کر رہی ہیں۔ بھلے مانے آپ نے زویا کے متعلق بات کی ہو مگر میں آپ جیسے لوگوں سے کوئی بھی رشتہ استوار کرنا باعث توہین سمجھتا ہوں۔ آپ ولی کو مسلسل برا بھلا کہہ رہی ہیں۔ حالانکہ وہ آپ کی بہت عزت کرتا ہے پھر وہ

ہوا یا آپ؟ بڑا پن بدلنے سے ظاہر ہوتا ہے، جس طرح آپ اپنی زویا کو کسی ایسے گھر میں بیاہ دیجیے جہاں لوگ آسمان سے اترے ہوں۔ میری طرف سے سو بار انکار قبول کیجیے۔" کافی دیر سے چپ بیٹھے زین کی ہمت جواب دے گئی تو پھٹ پڑا۔ جاتے ہوئے اس نے ادھ کھلا دروازہ پورا کھولا تھا اور ٹھٹھک گیا۔ طلیعہ ولی کھڑا تھا۔ چہرہ ضبط و غم کی تصویر کشی کر رہا تھا۔ سب کی نظریں طلیعہ ولی پہ پڑیں تو سب کے چہرے سفید پڑ گئے۔ بیگم وقار اور جہاں آرا بیگم نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔

"بھیجے بھیجے آئے ہو، بہت دیر کے بعد۔" زین نے خود کو سنبھالا پھر آگے بڑھ کر گلے لگ گیا۔

"تمہارے کمرے میں چلتے ہیں، یہاں کچھ بد صورت رویوں والے لوگ بیٹھے ہیں۔" کیا بد صورتی بھی اس کے چہرے۔

"دیکھا فاخرہ کتنا بدتمیز ہو گیا ہے زین۔"

"بدتمیزی معاف بھابھی بڑوں کو اپنی عزت خود کروانی چاہیے۔" فاخرہ طلیعہ کو جانا کہہ گئی تھیں۔ بیگم وقار اور جہاں آرا بیگم کمرے میں رہ گئیں جو بھابھی تو فاخرہ کی تھیں مگر خیالات بیگم وقار سے ملتے تھے۔

موت کا نام ہی دنیا میں برا ہے
زندگی میں بھی بارہا ایسے مقام آتے ہیں

زین کافی دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتا رہا پھر اس کا کوئی دوست آ گیا تو وہ اس کے ساتھ باہر چلا گیا۔ وہ اس کی حمایت میں کتنے لوگ بول رہے تھے۔ مگر اس کے اندر غضب کا سناٹا تھا۔ بعض اوقات ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنا ہمارا نصیب بن جاتا ہے۔ ہنستے مسکراتے کاموں میں ہر گھڑی تاوان دینا پڑتا ہے۔ طلیعہ ولی بھی انہی گناہوں کا تاوان ادا کر رہا تھا جو اس سے سرزد ہی نہیں ہوئے تھے۔ دکھی دل سے شجاع نے اس کے بیڈ روم میں قدم رکھا۔ ہاتھ بڑھا کر سوئچ بورڈ کے تمام بٹن کھٹا کھٹ آن کر دیے۔ بیڈ روم میں جیسے دن اتر آیا تھا۔ روشنی سے

بچنے کے لیے اس نے دایاں بازو آنکھوں پہ رکھ لیا۔ "مت کرو اجالا۔ کمرہ روشن کرنے سے میری ذات کے اندھیرے نہیں چھٹ سکتے۔" اس کا لہجہ پر درد تھا۔

"ولی! اٹھو، کھانا کھاؤ۔" شجاع کی آواز پہ وہ سرعت سے اٹھ بیٹھا۔

"سوری بھابھی میں سمجھا زین ہے۔" وہ گلابی آنکھیں چرا رہا تھا۔ شجاع کا نرم دل اس کے درد سے بوجھل ہو گیا۔

"تمہارا صبر تو کمال کا ہے ولی بھی۔" اس سے بات نہ بن پڑی۔

"یہی صبر اک دن مجھے قبر تک پہنچائے گا بھابھی۔" لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

"کیسی عجیب باتیں کرتے ہو؟"

"صرف باتیں؟ اپنی تو قسمت ہی عجیب ہے۔" بالوں میں انگلیاں پھیرتا وہ بہت مضطرب لگ رہا تھا۔

"چلو کھانا کھاؤ۔ سب تمہارے منتظر ہیں۔" شجاع جانتی تھی اسے قائل کرنا آسان نہیں تھا۔

"بابی کا تو بھابھی بھوک قطعاً نہیں ہے۔" ہوئی تیر۔

"کھا کر آئے ہو؟"

"نہیں۔" "جھوٹ نہ بولنے کی بڑی خطرناک بیماری تھی اسے۔"

"پھر؟"

"آتے ہی بڑی اچھی خوراک مل گئی، شکم سیر ہو گیا۔" دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے وہ دوبارہ دراز ہو گیا۔ تب ہی فاخرہ چلی آئی تھیں۔

"میں کچھ نہیں سنوں گی، اٹھو۔" ان کی پیار بھری دھونس پہ اس کے سارے احتجاج دم توڑ گئے۔

کچھ دیر پہلے کا واقعہ سب نے یوں فراموش کر دیا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ جہاں آرا بیگم ناراض ہو کر جا چکی تھیں اور سامان پیک کر کے تھیں۔ سب اڑا لے کے طور پر اس کا دھیان بٹا رہے تھے اور وہ برائے نام کھاتے ہوئے ان لوگوں کو جوابات دے رہا تھا۔ مگر فاخرہ کی کڑی

posted by Mina@oneurdu.com
UrduPhoto.com

ناگوار نظروں سے دیکھے محسوس کر رہا تھا۔

پورا چاند شرارتی بچے کی طرح بادل کے سینے میں کبھی چھپ رہا تھا، کبھی نکل رہا تھا۔ سفید پردہ دریچے سے آتی شوخ ہوا سے شرارتیں کر رہا تھا۔ کمرا نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ دایاں شانہ دریچے کے ستون سے لگائے، ہاتھ سینے پہ لپیٹے اس کی کلی بھنورا نگاہیں چاند کی بانہوں میں گم تھیں۔

"داغ تو چاند میں بھی ہے۔ مگر لوگ اس کے متوالے، دیوانے ہیں۔ اس میں چاند کی تو کوئی غلطی نہیں کیونکہ اس کے سینے میں داغ کاتب تقدیر نے لگایا ہے۔ میری ذات پہ جو بدنما داغ ہے وہ میں نے خود تو نہیں لگایا۔ پھر لوگ مجھ سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔ میرے مالک! میری خطا کیا ہے؟ تو تو کہتا ہے کوئی بھی انسان اپنی برداشت سے زیادہ دکھ نہیں جھیلے گا۔ پھر میرے ساتھ اتنا کیوں ہے۔ کہاں تک صبر کروں؟ کب تک لوگوں کی کٹیلی نظروں کا سامنا کروں؟ ماں تو کیوں چلی گئی مجھے چھوڑ کر۔ دیکھو تمہارا اپنا کتنا دکھی ہے۔ کتنا تڑپ رہا ہے۔ کہاں ہو تم۔ تم نہیں سنتیں تو مجھے اپنے پاس بلا لو۔ بلا لو ماں پلیز۔" سسکتی دل کے کونے میں ایڑیاں رگڑنے لگی تھی۔ نارسائی محرومی کے بادل ہستی پہ چھا گئے تھے۔ اونچا لمبا طویل وہ اس گھڑی معصوم بچے کی طرح بلک رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا۔

✪ ✪ ✪

"محبت ولا" وقار صاحب نے اس بنگلے کی پیشانی پہ یہ نام بڑی محبت سے لکھوایا تھا۔ "محبت ولا" کے در و دیوار اور مکینوں کے دلوں میں اک دوسرے کے لیے بے پناہ محبت تھی۔ جواد کی پیدائش شادی کے چار سال بعد ہوئی تھی۔ وقار صاحب بہت خوش تھے جب کہ بیگم کو بیٹی کی آرزو تھی۔ چونکہ وہ خود اکلوتی تھیں۔ بالآخر قدرت نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ پانچ سال بعد ان کی بیٹی نے دنیا میں قدم رنجہ فرمایا۔ بیگم وقار کو ہفت اقلیم کی دولت مل گئی۔ بڑے پیار سے انہوں نے اس کا نام "زرناب" رکھا۔

جواد سے ان کی توجہ ہٹتی جا رہی تھی۔ مگر وہ بہت سمجھدار بچہ تھا۔ چھوٹی بہن پہ جان دیتا تھا۔ زرناب کی پرورش بڑے ناز و نعم سے ہوئی تھی۔ بے جا لاڈ پیار نے اسے بگاڑا نہیں سنوارا تھا۔ حساس، نرم دل اور حقیقت پسند لڑکی تھی۔ ماں کی شدید محبت پہ کبھی کبھی جھنجلا جاتی۔ ایف ایس سی میں اس کے نمبر اچھے آئے تھے۔ اس کا ارادہ میڈیکل پڑھنے کا تھا مگر ماں نے سنا تو صاف کر دیا۔

"ایف ایس سی کر لیا یہی بہت ہے۔ میں تمہارا یہ حسین روپ سروپ موٹی موٹی کتابوں میں جھونکنے نہیں دوں گی۔ ان حسین آنکھوں میں عینک لگ جائے مجھے منظور نہیں۔"

ناچار زرناب نے اردو لٹریچر میں ماسٹرز کرنے کی ٹھان لی۔ وہ یونیورسٹی کے فرسٹ سمسٹر میں تھی جب فائنل ایئر کے اشعر احمد نے اس کے آگے پیچھے چکر لگانے شروع کر دیے۔ زرناب جان کر بھی انجان بنی رہی۔ اس کی کلی بھنورا آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر بھی بے نیازی سے گزر جاتی۔ حسن بے نیاز ہو تو عشق [illegible] اس کی بے نیازی نے اشعر کے آتش شوق کو مزید بھڑکا دیا۔

اس دن موسم بہت حسین تھا۔ بادل گھر گھر کر آ رہے تھے۔ کلاسز تقریباً خالی پڑی تھیں۔ کلاسز بنک کر کے بیشتر اسٹوڈنٹس موسم کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہ اپنے گروپ سے کچھ فاصلے پر گھنے پیڑ کے نیچے بیٹھی تھی۔ چند شریر لڑکیاں دائرے کی شکل میں بیٹھی ساون کے گیت گا رہی تھیں۔ کچھ واک کر رہی تھیں۔ وہ اپنے ارد گرد سے ہی لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"یار ساون کی مناسبت سے کچھ گنگناؤ نا۔" لڑکیوں نے فرمائش کی۔

یہ سماں پیارا پیارا
یہ ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی
جی چاہتا ہے میرا
کھو جائیں ہم یہاں

اس نے باقاعدہ گنگنا کر انہیں سنایا۔ لڑکیاں خوش ہو کر یہی گیت گانے لگیں۔

"تم بھی آؤ نا۔" اک لڑکی نے آفر کی۔ اس نے مسکراتے لب کے ساتھ سہولت سے معذرت کر لی۔ اڑتا آنچل شریر ہوا کے ہاتھوں سے جھپٹ کر اس نے ذرا سا رخ موڑا تو حیران رہ گئی۔ اشعر احمد جانے کب اس کے سامنے آ بیٹھا تھا۔ اپنی کلی بھنورا آنکھوں سے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ وہ بہت بولڈ تھی مگر اس شخص کی پُرستائش میں کچھ ایسی بات ضرور تھی جو وہ کنفیوژ ہو جاتی تھی۔

"زرناب میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔ میری ہو گی؟" وہ اٹھنے لگی تھی جب بنا کسی تمہید کے اشعر نے کہا تھا۔ اتنی بڑی بات اس نے کس آسانی سے کہہ دی تھی۔

"کہو ہو گی میری۔" اس کی حیران پریشان آنکھوں میں جھانکتے وہ ہولے سے مسکرایا۔ پُراعتماد [illegible] مسکراہٹ تھی جیسے اسے اپنی مسکراہٹ پہ بڑا مان ہو۔ [illegible] اس نے ذرا رعب سے کہا۔

"یہ درسگاہ ہے مسٹر کوئی تفریح گاہ نہیں۔" بیگ کاندھے پہ ڈال کر کتاب کو سینے سے لگائے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بھی اٹھ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"کیا چاہیے آپ کو؟" وہ جھنجلا کر پوچھ بیٹھی۔

"تمہارا جواب۔ وہ بھی اقرار میں۔" بلا کا اعتماد تھا۔

"کچھ بھی زبردستی ہے۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔"

"اک بار مہمان بنا کر تو دیکھیں۔ بلائے جان بن جائیں گے۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

اس کے خوبصورت قہقہے نے اس کے دل پہ دستک دے دی۔ پھر اکثر ہی دونوں اکٹھے نظر آنے لگے۔ اشعر بہترین اسٹوڈنٹ تھا۔ لڑکیوں کی وہ بہت عزت کرتا تھا۔ [illegible] بھی رہتا مگر زرناب کو دیکھ کر اسے یقین آ گیا کہ یہ وہی ہے جس کی اسے تلاش تھی۔ جس کا متمنی تھا۔ والد روڈ ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو چکے تھے۔ ماں اور وہ اک دوسرے کا سہارا تھے۔ برے وقت میں جب سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو اپنے کیسے دیتے۔ ابا کے انتقال کے بعد اماں نے سلائی کڑھائی کر کے اسے اس قابل بنایا۔ اب وہ پارٹ ٹائم جاب بھی کر رہا تھا اور بہتر مستقبل کے لیے تعلیم بھی حاصل کر رہا تھا۔ اشعر کا ماسٹرز مکمل ہو گیا۔ آج کل وہ جاب ڈھونڈ رہا تھا۔ ہفتے میں اک بار وہ اس سے ملنے بھی آ جاتا۔ تقریباً سال ہونے کو آیا تھا اسے جاب کی تلاش میں مگر اسے جاب نہیں ملی۔ ہر جگہ سفارش رشوت جو چل رہی تھی۔

اشعر دو ماہ بعد اس سے ملنے آیا تو وہ برس پڑی۔ بنا اطلاع دیے غائب ہو جانے پہ وہ اس سے سخت ناراض تھی۔

"زرناب اماں مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔" کلی بھنورا آنکھوں میں نمی تھی۔ زرناب دل پہ ہاتھ رکھے کھڑی رہ گئی۔

"مجھے افسر بنانے کا خواب دیکھنے والی ماں جوتیاں چٹخاتے دیکھ کر مر گئی۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے آگ لگا دوں اس ڈگری اور ساری دنیا کو جہاں غریب کی حیثیت کیڑے مکوڑوں جیسی ہے۔" زرناب کے سامنے اشعر کا یہ روپ نیا تھا۔ ماں کی جدائی نے اس کے اندر زہر بھر دیا تھا۔

"خود کو سنبھالو اشعر۔" اسے اس بکھرے مرد کو سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔

وقت سے بڑھ کر کوئی بڑا مرہم اس روئے زمین پر نہیں ہے۔ اشعر نے بھی خود کو بہلا لیا تھا۔ اسے جاب مل گئی تھی۔ وہ اب بھی زرناب سے ملنے آتا تھا۔ بظاہر سب پہلے جیسا تھا لیکن اک بڑی تبدیلی ہوئی تھی۔ ہمیشہ وطن کی محبت میں بولنے اور لڑنے والا اشعر کہیں کھو گیا تھا۔ اک بار وہ اس سے الجھ پڑی۔ وہ اپنے ملک اور لوگوں کی برائی نہیں سن سکتی تھی۔ اس کے ناراض ہو جانے پر پھر اشعر نے یہ ٹاپک کبھی نہیں چھیڑا۔

زرناب ڈگری ہولڈر ہو چکی تھی۔ جواد کی شادی پہلے ہی انجام پا چکی تھی۔ فاخرہ منکسر المزاج، خوش اخلاق اور

UrduPhoto.com

محبت کے جذبوں سے گندھی ہوئی اور بھابھی تھیں نند بھاوج کی خوب دوستی ہو گئی تھی۔ زرناب نے اشعر کے متعلق انہیں بتا رکھا تھا۔ فائزہ نے ساس سے بات کی۔ ساس نے سسر سے مشورہ کیا اور اشعر کو بر دکھوے کے لیے بلوایا گیا۔ سرخ و سپید رنگت نکلتا ہوا، آنکھیں، ہینڈسم، اسمارٹ اشعر سب کو پہلی ہی نظر میں بھا گیا۔ مسز وقار کو اس کے غریب ہونے پہ اعتراض تھا مگر اپنی ضد میں عزیز بیٹی کی خوشیوں کا گلا نہیں گھونٹ سکتی تھیں۔ وقار صاحب اور جواد بھی دولت کو دل سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہ تھے یوں بڑی آسانی سے زرناب اور اشعر رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

تین ماہ ہو گئے تھے ان کی شادی کو۔ مگر اشعر کا والہانہ انداز روز اول جیسا تھا ولیمے کے بعد اس نے ایک دن بھی اسے میکے میں جانے نہیں دیا تھا۔ مسٹر اور مسز وقار خوش تھے کہ بیٹی سسرال میں خوش ہے۔ البتہ اشعر ہر ہفتے اسے ملوانے ضرور لاتا تھا۔ مسز وقار کو اشعر کے رکھ رکھاؤ سے خوشی ہوئی تھی۔ ہزار اصرار کے باوجود اس نے جہیز لینے سے معذرت کر لی تھی اس کی اضافی خوبیوں نے وقار صاحب کو اس کا دل سے معترف کر دیا تھا۔

❋ ❋

رات دو بجے کا عمل تھا۔ شور سے اس کی آنکھ کھلی۔ سرہانے رکھا فون سائلنٹ میں ارتعاش پیدا کر رہا تھا۔ وہ گہری نیند میں تھا اور شاید کسی حسین سپنے میں گم تھا۔ تبھی اس کے لب نیند میں بھی مسکرا رہے تھے۔ ساتھ ہی نچلے لب کے وسط میں سیاہ تل عجیب سی جوت جگا رہا تھا۔ بہت سرشار رہتا تھا وہ ان دنوں اشعر اس کے شانے تھام کر کہتا۔

"زری! تمہیں پتا ہے لگتا ہے میں نے ساری دنیا تسخیر کر لی ہو۔ میرے اندر بہت سکون ہے۔ بہت اطمینان ہے۔ بہت آسودہ ہو گیا ہوں میں۔ جی چاہتا ہے ہزاروں سال تمہاری رفاقت میں جیوں۔"

سمٹتے ہوئے وہ اسے خود میں سمو لیتا۔ فون کی بیل نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا تو اس نے کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو۔"

"اشعر سے بات کروا دیں۔" دوسری طرف سے مردانہ آواز آئی تھی۔ گردن موڑ کر اس نے پہلو میں سوئے اشعر کو دیکھا۔

"وہ تو سو رہے ہیں۔"

"اگر کوئی ضروری بات ہے تو انہیں جگا دیتی ہوں ورنہ آپ میسج چھوڑ دیجیے۔"

"آپ کہہ دیجیے گا استاد نے بلایا ہے۔"

"او کے میں کہہ دوں گی۔" فون بند ہو گیا تھا۔ "کسی کا میسج ہے استاد نے بلایا ہے۔" اس نے سوچا۔

صبح وہ انڈا فرائی کر رہی تھی۔ جب اس نے پیچھے سے آ کر اسے تھام لیا۔

"گڈ مارننگ۔"

[illegible]

اس نے اپنا آپ چھڑا لیا۔

"مجھے مرنے کا کوئی غم تو نہیں ہے لیکن تم ہو گے میری جاں خفا میرے بعد"

اس کے گنگنانے پہ وہ اسے گھورنے لگی۔

"صبح صبح کیا فال نکالتے ہیں۔"

"اس طرح مت گھورو۔ میرا دل بڑا کمزور ہے۔" وہ ہنس پڑی اور وہ موقع سے "فائدہ" اٹھا چکا تھا۔

"محترم ذرا سیریس ہو جائیں۔ تین ماہ ہو گئے ہماری شادی کو اور آپ جاب پہ جانے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔"

"بور ہو گئی ہو؟" اس نے شوخی سے پوچھا۔

"شوہر سے کوئی بور نہیں ہوتی۔" جواب بھی شوخ تھا۔ وہ ہنس پڑا۔

"رات آپ کے لیے اک کال آئی تھی۔ پتہ نہیں کون بندہ تھا اس نے میسج دیا کہ استاد نے بلایا ہے۔" اشعر کے چہرے پہ اچانک سناٹا چھا گیا۔ وہ مڑ کے

لے کچن سے نکل رہی تھی تب ہی اس پہ دھیان نہ دے سکی۔ وہ اس کے پیچھے تھا۔

"اور کچھ بھی کہا؟" اسے اپنی آواز گہرے کنوئیں سے آتی ہوئی لگی۔

"نہیں۔"

"تھینکس گاڈ۔" اس نے شکر کے طور پر لمبی سانس لی۔

"یہ کیا میسج ہے؟" ٹرے رکھے وہ اس کے مقابل بیٹھ چکی تھی۔ وہ خود کو سنبھال چکا تھا۔

"جعفر نے فون کیا ہو گا۔ میرا کولیگ ہے۔ ذرا پوری اسٹائل ہے اس کا۔ باس کو استاد کہتا ہے۔"

[illegible]

اشعر کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ

"بڑی خوش نظر آ رہی ہو۔" اس نے کہا۔

"وہ تو میں ہوں۔"

"اب وجہ بھی گوش گزار کرو تاکہ میں بھی خوش ہو لوں۔" اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

"آپ بوجھیں۔"

"ماں آئی ہوں گی۔" اس نے اندازہ لگایا۔ وہ ماں بیٹی کی محبت سے واقف تھا۔

"اونہوں۔"

"پھر" وہ سوچنے لگا۔ زرناب لب دبائے اس کا پرسوچ چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"یار! نہیں مجھے ابا تو نہیں بنا رہی ہو؟" اس کے بوجھ لینے پہ شرمیلی مسکان اس کے چہرے پر بکھر گئی۔

"وہ مارا!" نعرہ لگا کے اس نے کئی چکر اسے دے ڈالے۔ ان کی محبتوں کا ثمر آنے والا تھا۔ وہ کیسے نہ خوش ہوتے۔

اشعر کی پرجوش رفاقت نے زرناب کو حسین تر بنا دیا تھا۔ بیگم وقار اسے دیکھ دیکھ کر بڑی خوش تھیں۔

اس بات کو کئی دن گزر گئے وہ کچن میں تھی کہ فون کی بیل ہوئی وہ ہاتھ خشک کرتی کچن سے نکلی وہ شاور لے رہا تھا ورنہ عموماً وہی کال ریسیو کرتا تھا۔

"تم رہنے دو میں دیکھتا ہوں۔" کمرے میں داخل ہو کر اس نے ریسیور اٹھایا تھا تب ہی اس نے پیچھے سے اچک لیا۔

"تم ایک کپ اچھی سی چائے تو پلاؤ۔" اس نے اس کے نیم منتشر بالوں کو انگلیوں سے منتشر کیا۔ مسکرا کر وہ واپس کچن کو ہولی۔ اگر اس کے اندر ذرا بھی تجسس کا مادہ ہوتا یا اسے اشعر پہ ذرا بھی شک ہوتا تو اس کے پراسرار انداز پہ ضرور چونک جاتی۔ بنا شاور لیے عجلت میں واش روم سے نکلنا اسے وہاں سے ہٹانا بھی کچھ تو قابل گرفت تھا۔ مگر اشعر کی بے پناہ محبت نے جیسے اس کی مت ہی مار دی تھی۔ کال سن کر وہ تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ کر تیار ہو رہا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟" اس کی عجلت کو اس نے الجھے سے دیکھا تھا۔

"مجھے باہر جانا ہے۔ تم دروازہ اچھی طرح بند کر لینا۔" کہتا ہوا جوتوں کے تسمے باندھ کر والٹ جیب میں گھسانے لگا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟ میں نے لنچ بھی تیار کر لیا ہے۔ چکن بنائی ہے آپ کی فرمائش پہ۔"

"رات میں کھاؤں گا۔" اس کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔

"آپ جا کہاں رہے ہیں؟" اس کی الجھن ختم نہیں ہو رہی تھی۔

"میرے فرینڈ کی والدہ کار ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو گئی ہیں۔ ان کے پاس جا رہا ہوں اپنا خیال رکھنا۔" اس کے حیران پریشان چہرے پہ نظر ڈالتے اس کا رخسار تھپتھپا کر وہ عجلت میں نکل گیا۔ بجھے انداز میں وہ اس کا بکھیرا پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

رات کے گیارہ بج گئے تھے مگر اشعر نہیں آیا تھا۔ گھبرا کر اس نے حسن کو فون کر دیا۔ اس کے دوستوں میں واحد اور حسن تھا جسے وہ جانتی تھی ورنہ باقی فرینڈز کی صرف شکل ہی دیکھی تھی۔ اب حسن کی بیوی نزہت نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ کافی دیر دروازے پہ کھڑی وہ اس کی راہ تکتی رہی۔ دروازہ بند کرنے کی

نیت سے وہ آگے بڑھی تھی کہ کسی نے دھکیلنے کے انداز میں دونوں پٹ وا کر دیے اور وہ اندر داخل ہو گیا۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ دروازے سے پشت لگائے اشعر پہ نظر پڑی تو قریب آ گئی۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ؟ میں کتنی فکر مند ہو گئی تھی۔ اور یہ آپ اتنے حواس باختہ کیوں ہیں خیریت تو ہے۔"

وہ حیرانی سے استفسار کر رہی تھی۔ وہ سانس ہموار کر رہا تھا جیسے میلوں سے بھاگتا آ رہا ہو۔ اس نے اپنی لال بھبھوکا آنکھیں اس کے متوحش چہرے پہ جما دیں۔

"پریشان مت ہو۔ شاید میرا بی پی لو ہو گیا ہے۔"

"میں کچھ جوس بنا کر لاتی ہوں۔" وہ فوراً پلٹ گئی۔ اس نے گہری سانس خارج کی۔ کچھ سوچ کر اسے جھرجھری سی آ گئی۔

اگلے روز وہ قدرے ہشاش بشاش تھا۔ ٹی وی سے خبریں آ رہی تھیں۔ وہ وہیں بیٹھی تھی۔

"آپ کے دوست کی امی کی طبیعت اب کیسی ہے؟" اس نے خبریں سنتے اشعر سے دریافت کیا۔

"کون سا دوست؟" اس کی نظریں ٹی وی اسکرین پہ جمی تھیں۔

"آپ بھی حد کرتے ہیں وہی دوست جس کی امی ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوئی تھیں اور جس کی کال سننے کے بعد آپ تیز رفتاری سے اس کی طرف گئے تھے۔"

اس نے یاد دلایا۔ "ہوں۔ اچھا ہاں ٹھیک ہیں۔" وہ خود کو کوس کے رہ گیا۔ پھر ٹی وی کی آواز قدرے اونچی کر دی۔ نیوز کاسٹر نیوز پڑھ رہا تھا۔

"کل رات آٹھ بجے کراچی آنے والی ٹرین میں بم دھماکا۔ جس میں چالیس افراد جاں بحق ہو گئے اور سو سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ بم پھٹنے کے باعث بوگی الٹ گئی۔ بم انتہائی طاقتور تھا۔"

اس کے ساتھ ہی مرے ہوئے لوگوں کے جسم کے اعضاء دکھائے جانے لگے۔ اس نے جھرجھری لے کر اشعر کے شانے میں منہ چھپا لیا۔ نیوز کاسٹر اب دوسری خبر پڑھ رہا تھا۔

"کتنے بے رحم ہوتے ہیں وہ لوگ جو یہ کام کرتے ہیں۔ خوف خدا انہیں ہوتا نہیں۔ انہیں احساس کیوں نہیں ہوتا کہ انہوں نے کتنے بچوں کو یتیم اور سہاگنوں کو بیوہ کر دیا۔ کتنے گھرانوں کے چولہے ٹھنڈے کر دیے۔ کیا ہو گیا ہے لوگوں کو؟ زر کی ہوس میں سب نے اپنے ضمیر کا گلا دبا دیا ہے۔" تاسف بھرے انداز میں وہ خود سے گویا تھی۔ وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

* * *

زرتاب آج کل بڑی حسین ہو رہی تھی۔ وہ تخلیق کے عمل سے گزرنے جا رہی تھی۔ ان دنوں اس کے چہرے پہ بڑی انوکھی چمک تھی۔ وہ اکثر چھیڑتا تھا۔ "تم پہ [illegible] بچے کا روپ آ رہا ہے۔"

"اشعر آپ کو کیا چاہیے۔" اس دن وہ سنجیدگی سے استفسار کر رہی تھی۔

"بیٹا ہو یا بیٹی وہ ہماری ہی اولاد ہو گی۔ میں ان جاہل [illegible]"

[illegible] روشن خیال جیون ساتھی پہ فخر ہوا تھا۔ عورت ایک تکلیف دہ عمل سے گزرتی ہے۔ زندگی اور موت کا سفر کرتی ہے۔ ہر عورت کے درد کو سمجھنے والا کوئی نصیب ہوتا [illegible] مجھے بیٹا چاہیے وارث چاہیے کہنے والے نہیں سوچتے کہ یہ عورت کے اختیار میں ہے؟ [illegible]

اگلے ہی روز اشعر نے کام کاج کے لیے ماسی کا انتظام کر دیا تھا۔ زیب گھر کی صفائی ستھرائی بھی کرتی تھی۔ کچن بھی سنبھالتی تھی اور اشعر کی غیر موجودگی میں اس کا دھیان بھی رکھتی تھی۔ وہ ہر پل اس کا خیال رکھتا تھا۔ بیگم وقار بھی اتنی ناز برداری دیکھ کر اشعر کے واری صدقے جاتی تھیں۔

بالآخر وہ دن بھی آ ہی گیا۔ ہاسپٹل کے کاریڈور میں بیگم وقار کے لب مسلسل قرآنی آیات کی تسبیح کر رہے تھے۔ جواد اور فاخرہ فکر مند کھڑے تھے اور باہر اشعر کی جان بن آئی تھی۔

"بیٹا ہوا ہے۔" ڈاکٹر نے خوش خبری دی۔ سب نے شکر ادا کیا۔

"ڈاکٹر میری بیوی کیسی ہے؟" اشعر کا لہجہ بہت بے تاب تھا۔ لیڈی ڈاکٹر نے اس کے فکر مند چہرے کو دیکھا۔

"کیس نارمل تھا۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ مل سکیں گے۔"

"او گاڈ۔" بے اختیار اس نے بھی لمبی سانس لی۔ ڈاکٹر کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

"بہت محبت کرتے ہیں آپ اپنی بیوی سے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔ اشعر کے چہرے پہ دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جو لڑکی میرے لیے اپنے خونی رشتے چھوڑ کر آئی ہے۔ جس نے اپنی برسوں کی پختہ عادتیں میری وجہ سے بدل دی ہیں۔ جس نے مجھے اولاد کی خوشی دی ہے اس سے محبت نہ کروں تو کس سے کروں ڈاکٹر؟" وہ [illegible] نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا۔ محبت کا عکس چہرے پہ جھلملا رہا تھا۔

"خوش نصیب ہیں آپ دونوں۔" ڈاکٹر آگے بڑھ گئی۔

کمرے میں داخل ہو کر اشعر نے جھک کر اس کی زرد پیشانی پہ لب رکھ دیے تھے۔ اسی اثنا میں نرس ایک تولیے میں لپٹے ننھے وجود کو لے آئی۔ اس نے لپک کر اسے بانہوں میں بھر لیا۔

"زری کتنا پیارا ہے ہمارا بیٹا۔" بچے کے چہرے کو اس نے بے ساختہ پیار کر لیا تھا۔ گول مٹول بے انتہا گلابی بچہ منہ بسورنے لگا۔

"آپ نے دیکھا اس کے نچلے لب کے وسط میں آپ کی طرح سیاہ تل ہے۔" دونوں ہی بچے پہ جھک گئے تھے۔

"تھینکس زری۔" اشعر نے بچے سمیت اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"کتنی زرد ہو رہی ہو تم۔" بیگم وقار فکر مندی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"میں ٹھیک ہوں اماں آپ نے ہمارے بیٹے کو دیکھا۔" وہ خوش تھی۔

"دیکھ لوں گی۔ تم بتاؤ کچھ جوس وغیرہ لیا۔" انہیں اسی کی فکر تھی۔ اشعر نے بچہ فاخرہ کی گود میں دے دیا۔

"امی ہمیں بھی دکھائیں۔" امجد اور نقش نے ضد کرنی شروع کر دی۔

"پھپھو کتنا پیارا ہے بے بی۔"

نقش نے خوشی سے تالی بجائی۔

"نام کیا سوچا ہے؟" جواد نے پوچھا۔

"طباع علی۔" اشعر نے جلدی سے بتایا۔

"بہت خوبصورت نام ہے۔"

فاخرہ نے محبت سے بچے کو خود سے لگا لیا۔

اشعر نے کہا تھا بچے کی محبت میں وہ اسے نظر انداز کرے گی جب کہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وہ خود بھی بچے کے پیچھے دیوانہ بنا پھرتا تھا۔ طباع کے بیشتر کام خود کرتا تھا۔

"آپ اتنا پیار کیوں کرتے ہیں طباع کو؟" وہ ایک دن فرصت سے بیٹھی تھی۔ سو اس نے پوچھ لیا۔

"جیلس ہو رہی ہو؟" اس نے اس کی چٹیا کو ہولے سے کھینچا۔

"ہوں۔"

"پتا ہے زری میں بہت چھوٹا تھا جب بابا چل بسے۔ اماں کو محنت مشقت سے اتنی فرصت ہی نہ ملتی تھی کہ وہ مجھے بھرپور محبت سے نوازتیں۔ پھر وہ بھی مجھے چھوڑ گئیں۔ بچپن کے دن بیت گئے۔ مگر میرے اندر آج تک اک تشنہ کام بچہ سانس لے رہا ہے۔ میں اپنے بچے کو تشنہ نہیں رکھنا چاہتا۔ میں اسے بھرپور محبت دینا چاہتا ہوں۔ اسے اتنا پیار کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سیراب ہو جائے اس کے اندر کوئی کمی کوئی محرومی جنم نہ لے۔ تم بھی اس سے بہت محبت کرنا زری۔ اگر میں مر جاؤں تو ہمارے بیٹے کو میرے حصے کا پیار بھی تم دینا اوکے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ ہم دونوں ہی اسے پیار دیں گے۔"

UrduPhoto.com
posted by Mina@oneurdu.com

زندگی بڑی آسودگی سے بیت رہی تھی۔ در و دیوار سے خوشیاں پھوٹ رہی تھیں۔ طباطبائی کی پہلی سالگرہ زبردست طریقے سے منائی گئی تھی۔ دن بڑے خوبصورت گزر رہے تھے۔ طباطبائی کو زرتاب کے سپرد کر کے وہ واک پہ نکلے ہوئے تھے۔ زرتاب نے طباطبائی کو بھی ساتھ لینا چاہا تھا تب اشعر نے شوخی سے کہا تھا۔

"یار اس "رقیب سرخ و سپید" کو آج گھر پہ ہی چھوڑ دو۔ ذرا بڑا ہو تو میں اسے بتاؤں گا کہ میری بیوی کو اس نے چھانس لیا ہے۔"

واک کرتے وہ گلی سے دور نکل آئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا اور اندھیری رات کے فسوں میں دھیمی دھیمی سرگوشیاں کرتے انہیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ دفعتاً اشعر کے لب بھنچ گئے۔ سامنے سے تینوں ان کے چلے آرہے تھے۔ وہ ان کے پاس آکر رک گئے۔

"السلام علیکم بھابھی۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ خوش دلی سے گویا ہوئی۔ جعفر، رضا اور نعیم سے وہ ایک دو بار پہلے بھی مل چکی تھی۔ جعفر اشعر سے سرگوشی میں جانے کیا کہہ رہا تھا۔

"یقین نہ ہو تو خود بات کرلو۔" اس نے شان بے نیازی سے کہا۔

"زری! تم ذرا یہاں رکو ہم لوگ سامنے شاپ سے ایک کال کر کے آتے ہیں۔"

اس نے رضا اور نعیم کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا تھا۔ اور ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ تینوں سگریٹ خریدنے آگے بڑھ گئے۔ پی سی او پہنچ کر اس نے سرعت سے مطلوبہ نمبر ڈائل کیا۔

"جی! میں اشعر بول رہا ہوں۔"

"میں سن رہا ہوں' بولو۔" دوسری طرف سے بھاری مردانہ آواز سنائی دے رہی تھی۔ "وہ بھی جعفر، رضا اور نعیم مجھے ملے ہیں۔"

"کہو کیا بات ہو گی اصول شکنی۔"

"وہ... استاد میری مجبوری ہے اس وقت میری بیوی میرے ساتھ ہے کیا پروگرام آدھے گھنٹے بعد نہیں ہوسکتا میں اسے گھر چھوڑ آؤں گا۔"

"نہ پتر! ہمارا جو پروگرام بن گیا سو بن گیا۔ آدھا گھنٹہ کیا ایک منٹ کی بھی تاخیر نہ ہو دھیان رکھنا۔" دلاور خان کا لہجہ بدل گیا۔

"استاد سوچو تو میری بیوی میری اصلیت سے بے خبر ہے۔" وہ مشکل میں پھنس گیا تھا۔

"نہ پتر نہ! میں کچھ نہیں کرسکتا۔ اطلاع کے مطابق جہاں تمہیں کام کرنا ہے وہاں ابھی مرد نہیں ہیں۔ صرف عورتیں ہیں اور یہ کوئی عام گھر نہیں ہے تو سمجھا کر۔"

"استاد! میں... وہ... آج کے پلان میں شامل نہیں ہوسکوں گا۔" اس نے صاف کہہ دیا۔

"اشعر! تو جانتا ہے میرے حکم سے انحراف کی سزا کتنی کڑی ہوتی ہے۔" دلاور خان غرایا۔

"میں کچھ نہیں بتا رہا ہوں استاد! مجھے بیوی کو گھر چھوڑنے کی مہلت چاہیے۔"

"سن کر اشعر! اتنا جذباتی نہ کر' میری نرمی کا تو ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے تجھے خبر ہے تیری... انکار کر دیا کے [illegible] جا رہا ہے۔"

"اچھا! آج کے پلان میں شامل نہیں ہو رہا جو کرنا ہے کرلو۔" اس نے [illegible] انداز میں کہا۔

"ہم نے ذہن میں رکھتے ہوئے ہی پلان بنا دیا تھا۔ اس میں بھی تم نے اسی طرح [illegible] حکم دیا تھا میں نے کس مشکل سے یہ مہم سر کی تھی احساس [illegible] ہے۔"

"ہاں ہم سب جانتے ہیں تو اب ضد چھوڑ' تیری بیوی خیر سے ساتھ ہے۔ میرے ایک اشارے پر ان تینوں میں سے کسی ایک کی گولی تیری بیوی کو تجھ سے ہمیشہ کے لیے دور کر دے گی۔ ضد چھوڑ دے اور مان جا۔" اس نے ریسیور پٹخ دیا۔ دلاور خان جیسے بھیڑیے سے کچھ بعید نہ تھا وہ کتنا گرا ہوا تھا۔ وہ سخت الجھن میں تھا۔

"کیا ہو گئی بات؟" اس نے [illegible] آواز میں مڑ کر پیچھے دیکھا اور ساکت ہو گیا۔ زرتاب اس کی ساری گفتگو سن چکی تھی اور اب اس سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے اس کے کسی سوال کا جواب دیے بغیر پاس سے گزرتی ٹیکسی روک کر اس میں زبردستی اسے بٹھایا۔

"تم گھر جاؤ' میں ابھی آرہا ہوں۔" ٹیکسی والے کو اشارہ کر کے وہ تیزی سے ان تینوں کی طرف بڑھ گیا۔

"تم لوگ پہلے نہیں بتا سکتے تھے۔" وہ ان پر برس پڑا۔ "ہم تمہارے ہی گھر سے آرہے ہیں' واپسی میں تم اتفاق سے راستے میں مل گئے۔"

"گاڑی کہاں ہے؟" اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ زرتاب کی نفرت سہہ سکتا تھا مگر اس کی جدائی اسے کسی طور منظور نہیں تھی۔ ایک نہ ایک دن تو اسے اس کے دکھانے کارناموں کی خبر ہونی ہی تھی۔ اسے بار بار زرتاب کی نگاہوں کی سختی یاد آجاتی۔

"نعیم پندرہ منٹ بعد گاڑی لے کر ہمارا انتظار کر رہا ہوگا۔" جعفر اسے پلان سمجھا رہا تھا۔ اب تو سب منظر عام پر آچکا تھا۔ اب چھپنا مضحکہ خیز بات تھی۔

[illegible]

تھے جو کچھ اس کی نگاہوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ یقین آتا بھی کیسے' مان' اعتماد' اعتبار جب ٹوٹتا ہے تو یقین کس کو آتا ہے۔ بے انتہا محبت کرنے والے محبوب شوہر کا یہ بھیانک روپ اسے زندہ درگور کر گیا تھا۔ وہ دم بخود تھی۔ رات دیر تک باہر رہنا' گمنام فون کالز آنا' ارجنٹ میٹنگ کا بہانہ کرنا۔ سب کچھ ہی تو قابل گرفت تھا مگر وہ اس کے عشق میں اندھی ہوئی تھی۔ اب حقیقت پوری آب و تاب کے ساتھ عیاں تھی۔

اور اب ایک کامیاب واردات کر کے وہ گھر میں آیا تھا۔ کوئی کب تک حقیقت سے منہ چھپا سکتا ہے' سو وہ بھی سامنا کرنے کو تیار تھا مگر اسے دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ زرتاب اپنا بیگ پیک کر رہی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟" جواب میں اس نے روح میں پیوست ہو جانے والی نظریں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ وہ سٹپٹا گیا۔

"اپنی ماں کے گھر۔"

"دیکھو..."

"اسٹاپ اٹ اشعر! جو کچھ آج میرے کانوں نے سنا اور آنکھوں نے دیکھا وہی سچ ہے۔ پلیز اب مزید جھوٹ مت بولنا مجھے رونا آرہا ہے' میں بہت سا رونا چاہتی ہوں تم نے مجھ سے بے ایمانی کی مجھے اندھیرے میں رکھا۔ میرے اعتبار و اعتماد کو قدموں تلے روند دیا۔ میں اس گھر میں ایک پل رہنے کی روادار نہیں میں اپنی ماں کے گھر جا رہی ہوں جس دن تم یہ کالے کام چھوڑ کر میرے پاس آؤ گے اس دن پرانی زرتاب تمہیں خوش آمدید کہے گی۔"

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے زری! اس گلی کی دوسری جانب کوئی راستہ نہیں ہے جو اس دلدل میں اتر گیا وہ نکل نہیں سکتا۔" اس کا انداز ہارا ہوا تھا۔

"کیوں دھنسے تم اس دلدل میں' کون سے لعل جڑے تھے اس میں۔" وہ چیخ پڑی۔

"تم جانتی ہو میرے سارے حالات' لوگ کاغذ کے جس ٹکڑے کو ڈگری کہتے ہیں میں بہت پھرا اسے لے کر جوتیاں گھس گئیں مگر مجھے جاب نہیں ملی۔ میری ماں ناامیدی کے آنچل میں منہ چھپا کر اس دنیا سے چلی گئی۔ میرے ساتھ فقط فکر و فاقے تھے ایسے میں دلاور خان نے میرے ہاتھوں میں ہتھیار تھما دیا۔ میں اسے قبول نہ کرتا تو پھر کیا کرتا۔"

"تمہیں اپنے حصے کی خوشیاں نہیں ملیں تو تم نے دوسروں کی خوشیاں چھیننا شروع کر دیں۔ میں پوچھتی ہوں ان بہنوں کا کیا قصور تھا جن کے بھائیوں کی تم نے جان لے لی۔"

"یا اللہ۔" اس نے اپنا چکراتا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ خون میں لت پت بکھرے اعضاء نگاہوں میں گھوم گئے تو اذیت سے اس نے پلکیں میچ لیں۔ وہ جیسے اذیت کے پل سے گزر رہی تھی۔ حقیقتاً اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔

"تمہارے ضمیر نے تمہیں کبھی ملامت نہیں کی

UrduPhoto.com
posted by Mina@oneurdu.com

اشعر؟ کبھی تمہیں معصوم بچوں، عورتوں اور بوڑھوں پر رحم نہیں آیا؟ تمہارے باعث کتنے بچے یتیم ہو گئے ہوں گے کتنے چولہے بجھ گئے ہوں گے کتنے بے رحم ہو تم۔ کبھی یہ سوچا اس طرح تمہارے بم بلاسٹ کرنے سے لاکھوں لوگ لقمہ اجل بن جاتے ہیں کسی روز تمہاری بیوی بچے بھی ان میں شامل ہو سکتے ہیں۔ تمہارے طباع کے بھی چیتھڑے اڑ سکتے ہیں؟“

”خاموش ہو جاؤ زری!“ دل درد سے بند ہونے لگا۔

”کیوں درد ہو رہا ہے؟ کیونکہ طباع ولی تمہارا جگر ہے وہ بھی تو کسی کے جگر گوشے تھے جنہیں تم نے مار ڈالا۔ وہ بھی تو کسی کی آنکھوں کی ٹھنڈک کسی کے بڑھاپے کا سہارا تھے۔“ زری چیخ اٹھی۔ پھر اس کی آواز دھیمی ہوئی۔

”اس دو سالہ رفاقت میں میری آنکھوں میں تم نے آنسوؤں کا ایک قطرہ آنے نہیں دیا۔ میں خود کو دنیا کی خوش نصیب عورت تصور کرتی تھی۔ تمہاری رفاقت قابلِ رشک تھی۔ میری آنکھوں میں غم کے بادل کبھی نہیں آئے میں بات خوش تھی مگر اب خبر ہو رہی ہے تم نے مجھے خون کے آنسو رلانے کا اہتمام کر رکھا تھا۔“ وہ تڑپ رہی تھی۔ اشعر کا بد صورت روپ اس کے حواس سلب کر گیا تھا۔ لب بھینچے اس نے اسے دکھ بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کے ایک ایک آنسو اس کے دل میں سوراخ کر رہے تھے۔ آنسو پونچھتے ہوئے اس نے اس سے پوچھا تھا۔

”اشعر! چھوڑ دو یہ سب۔ ہم ایک نئی دنیا بسائیں گے۔“

”اسے چھوڑنا اتنا آسان نہیں ہے زری! میری جان جائے گی تب ہی یہ چھوٹ سکتا ہے۔“ وہ بے بسی سے بولا تھا۔

”تو پھر ٹھیک ہے تم مجھے چھوڑ دو۔“

”زری! واپس لو اپنے الفاظ۔“ وہ پہلی بار اس سے اونچی آواز میں مخاطب ہوا۔

”تم سوچ لو میں اور طباع اس گھر میں اب اسی وقت آئیں گے جب تم یہ سب چھوڑ دو گے۔“

سینے میں کٹتے ہوئے اس نے بیگ کی زپ بند کی۔ کاٹ میں سویا طباع ولی نا آشنا شور سے جاگ کر رو رہا تھا۔ اس ڈیڑھ سالہ زندگی میں اس نے دھیمی سرگوشیاں ہی سنی تھیں۔ آج نامانوس شور اس کے آرام میں خلل ڈال رہا تھا۔ اشعر آنکھیں پھاڑے زرناب کو دیکھ رہا تھا۔ روتے ہوئے طباع ولی کو گود میں لیے وہ گھر سے نکلنے کو تیار تھی۔

”یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟“

”ہاں۔“ اس کا انداز بے لچک تھا۔

”ولی کو نہیں لے جاسکتیں یہ میرے ساتھ رہے گا۔“ اس نے آخری تیر استعمال کیا۔ اسے روک لینے کی ایک بڑی کوشش کی تھی۔

”اگر تم نے ولی کو میرے ساتھ جانے نہ دیا تو میں اس کا گلا دبا کر اسے مار دوں گی۔“ عورت جب چاہے شعلہ بن جائے جب چاہے شبنم۔ اشعر دم بخود رہ گیا۔ طباع چیخ چیخ کے رو رہا تھا۔

”نفرت ہو گئی ہے زری! میں کیسے رہوں گا تم لوگوں کے بنا؟“ اس کا انداز التجائیہ تھا مگر وہ ان سنی کیے دہلیز پار کر گئی۔

☆ ☆ ☆

”بیت گیا“ ہمیں سب سونے کی تیاری کر رہے تھے اسے دیکھ کر سب کے دل کسی انہونی کے خیال سے دھڑک اٹھے۔ فاخرہ نے آگے بڑھ کے طباع ولی کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ وہ ماں کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ساری روداد سن کر انہوں نے نفرت سے کہا تھا۔

”تو کیوں لے آئی اس کے بچے کو اس کے پاس ہی پھینک آتی۔“ انہوں نے نفرت بھری نظریں ننھے طباع ولی پہ ڈالیں۔

”اماں! کیا بات کر رہی ہیں یہ میرا بھی تو بچہ ہے۔“ اس کی ممتا تڑپ اٹھی۔

”جس شخص نے تجھے دھوکہ دیا تو اس کے بچے کو اپنا بچہ کہہ رہی ہے۔“ وہ پھنکار رہی تھیں۔ وہ اشک بہانے لگی۔ سب ہی کو اس سچائی نے ششدر کر دیا تھا۔

وقار صاحب اور جواد اشعر سے ملنا چاہ رہے تھے مگر اس کا انہیں کچھ پتہ نہیں تھا۔

دو سالہ رفاقت میں آج پہلی بار وہ آنکھوں کے سمندر بہا رہی تھی۔ نیند آنکھوں میں پریشان پھر رہی تھی۔ اسے کسی پل چین نہیں تھا۔ وہ اشعر کے بازو پہ سر رکھ کر سونے کی عادی تھی۔ اس کے بغیر یہ تیسری رات تھی۔ بے آرامی اور اندرونی جنگ نے اسے مضمحل کر دیا تھا۔ صبح ہونے میں کچھ دیر تھی اس کی آنکھ چند لمحوں کے لیے لگی تھی پھر فوراً کھل بھی گئی تھی۔ آنکھیں کھلتے ہی اس نے اشعر کو پکارا۔ اس نے بہت ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ اس نے اشعر کو خون میں لت پت دیکھا تھا۔ وہ ایک گڑھے میں گر رہا تھا اس نے مدد لیے اسے پکارا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر ہاتھ تھامنے سے پہلے ہی وہ گڑھے میں گر گیا تھا۔ لمبی لمبی سانس لیتے اس نے اشعر کا ورد کیا تھا۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ وضو کر کے اس نے ... اشعر اور اپنی خوشیوں کی دعا مانگی تھی مگر ہر لمحہ قبولیت کا تو نہیں ہوتا۔ بعض صدائیں عرش معلی سے واپس پلٹ جاتی ہیں۔ طباع ولی نیند سے جاگا اس نے اسے اٹھا لیا اور اسے بہلانے لگی۔ تھپکتے تھپکتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

مجھے
ہوتا
ہے
جہاں میں آنکھیں جھپکوں گی
وہیں حادثہ ہو گا

”آنکھیں“ کسی احساس سے پٹ سے کھل گئی تھیں۔ اس نے ایک نظر طباع ولی پہ ڈالی وہ سو رہا تھا۔ وہ کمرے سے نکل آئی۔ امی ابو جواد فاخرہ سب ہی لوگ برآمدے میں جمع تھے۔

”کیا ہوا؟“ اس کا دل کسی انہونی کے خیال سے کانپ اٹھا۔ سب خاموش تھے اور وہ ان کی خاموشی پہ حیران۔ کچھ ہی دیر بعد آنے والی ایمبولینس نے اس کی حیرانی دور کر دی۔ اسٹریچر پہ سفید چادر اوڑھے کوئی تھا۔ قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھے۔ ستون تھام کر اس نے ہراساں نظروں سے سفید چادر کو دیکھا۔ دل و دماغ سن تھے۔ سب کے چہروں پہ رحم۔ بے رحم سچائی پہ اسے سکتہ ہو گیا۔ جواد نے آگے بڑھ کر چادر ہٹا دی۔ اس کے خواب کی تعبیر سامنے تھی۔ ”اشعر!“ وہ چلائی تھی پھر تیورا کر گر گئی۔

عدت کے دن پورے ہو گئے تھے مگر اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔ بیگم وقار بیٹی کو دیکھ دیکھ کے کڑھتی رہتیں۔ سب اس کا جی بہلانے میں لگے رہتے۔ طباع ولی کی دیکھ بھال ان دنوں فاخرہ کر رہی تھیں۔ زرین بھی سال بھر کا ہو گیا تھا مگر زرناب ان دنوں دنیا سے کٹ گئی تھی۔

”تو سنبھال اسے بہت رو رہا ہے۔“ فاخرہ نے بڑی طرح روتے طباع ولی کو اس کی گود میں ڈال دیا۔

”تم بہت ... ہو۔“ اس نے لڑکھڑا کے کہا تھا۔ اس کے رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے۔ وہ طباع ولی کو خود سے بھینچ بھینچ کے رو رہی تھی۔

”میں اپنے بچے کو دکھ نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں اسے بھرپور محبت دینا چاہتا ہوں۔ اسے اتنا پیار کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سیراب ہو جائے۔ اس کے اندر کوئی بھی کمی محرومی جنم نہ لے۔ تم بھی اس سے بہت محبت کرنا زری! اگر میں مر جاؤں تو میرے بیٹے سے میرے حصے کی محبت بھی تم کرنا۔“ اشعر کی آواز پھر آئی تھی وہ بلک بلک کے رو دی۔

”تو تم نے پہلے ہی ٹھان رکھی تھی کہ ہمیں بیچ سفر میں چھوڑ جاؤ گے۔“ اس نے طباع ولی کو سینے سے لگا لیا۔ ”مجھے معاف کر دینا اشعر! میں اپنے بچے سے اتنے دن اجنبی بنی رہی۔ مجھے معاف کرنا۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ غم غلط کرنے کو سب ہی اسے بہلا رہے تھے۔ وہ زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی۔ اسے اشعر کی خواہش کا احترام کرنا تھا۔ اس کے بچے کو بھرپور

محبت بنا تھی۔

زندگی کی طرف لوٹنے کے باوجود خاموشی اس کی ذات کا حصہ بن گئی تھی۔ یہ خاموشی اسے دیمک کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہی تھی۔ کاٹ رہی تھی، کھا رہی تھی۔ اس کی خوشی اور امنگ ختم ہو رہے تھے۔ سب نے مشترکہ فیصلہ کیا تھا کہ ایک بار پھر اس کا گھر بسایا جائے۔ اس نے سنا تو انکار کر دیا۔ ناچار سب خاموش ہو گئے مگر بیگم وقار کو اس کا یوں اداس رہنا بہت کھلتا تھا۔ انہیں طباع ولی کی ذات بری طرح کھٹکتی تھی۔ وہ معصوم ان کی نفرت نہیں جانتا تھا۔ زرتاب کی دوسری شادی پہ سب نے ہی اصرار کیا۔ پھر اس کے مسلسل انکار پر سب تھک ہار کے بیٹھ گئے۔ یوں شادی کا معاملہ ٹھنڈا ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"ممی! پتا ہے، آج میں نے ایک نیا دوست (دوست) بنایا ہے۔ وہ بہت لو رہا (رو رہا) تھا۔ میں نے اس سے دوتی (دوستی) کر لی تو تپ (چپ) ہو گیا۔" ننھا طباع ولی اسکول کی روداد سنا رہا تھا۔

"کیا نام ہے اس کا؟" سیاہ آنچل سر پہ جماتے اس نے بیٹے کو محبت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

"ہجاج (جہاز) جیسا نام ہے۔ حجاجی اومر (حجازی عمر)۔" وہ معصومیت سے بولا۔ اس کی معصومیت پہ اسے بے انتہا پیار آیا۔ اس کے لب کا تل اب گہرا ہو گیا تھا۔ اس نے بے ساختہ اس کے تل کو چوم لیا۔ اشعر نے بھی آخری بار اس تل کو چوما تھا۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ پلکیں پھر نم ہونے لگیں۔ "ممی! آپ اس سے ملیں گی نا۔" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ضرور میری جان۔" اس کے گھنے بالوں کو سہلاتے ہوئے وہ اس کی معصومانہ باتیں سن رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا کر رہے ہو یہ؟" بیگم وقار نے سختی سے پوچھتے ہوئے طباع ولی کے کان بری طرح مروڑ دیے۔

"نانو! میں امی کے لیے پھول توڑ (توڑ) رہا ہوں۔" وہ چمن سے گلاب کی کلی توڑ رہا تھا۔

"بیوہ تو کر دیا ہے تیرے باپ نے میری بیٹی کو۔ اب پھول لگا کر وہ کیا کرے گی۔ میری بیٹی کی خوشیوں کا قاتل ہے تیرا باپ اور تو اس کا سپولا ہے۔" انہوں نے اسے دھکا دیا تھا۔ اس کی ہتھیلی چھل گئی۔ وہ چیخ چیخ کے رو رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" زرتاب بھاگی چلی آئی۔

"ممی! میں آپ کے بالوں میں لدانے (لگانے) کے لیے پھول توڑ رہا تھا۔ نانو نے مجھے ملا (مارا) ہے۔" ماں کو دیکھتے ہی اس نے شکایت لگائی۔

"اماں! کتنی بے رحم ہیں آپ۔ کیا بگاڑا ہے اس معصوم نے آپ کا؟ کیوں جانوروں سے بدتر سلوک کرتی ہیں آپ اس کے ساتھ۔" زرتاب نے طباع ولی کو گود میں بھر لیا۔

"خوشیاں لوٹی ہیں اس کے باپ نے تیری۔ زہر لگتا ہے مجھے اس کا وجود۔" وہ تن فن کرتی چلی گئی تھیں۔

اس دن کے بعد سے طباع ولی کے دل میں نانو کا خوف [illegible] نانو کی نفرت کا مفہوم بھی نہ سمجھ سکا۔

"ممی! یہ ڈاکو کیا ہوتا ہے؟" اس دن وہ بڑی معصومیت سے استفسار کر رہا تھا۔ زرتاب کانپ کے رہ گئی۔

"تمہیں کہاں سنا آپ نے یہ لفظ؟"

"نانو کہہ رہی تھیں تم ڈاکو کا بیٹا ہو۔"

"یا اللہ۔" زرتاب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس کو کیسے سمجھائے۔ اس وقت تو وہ اسے ٹال گئی۔ ماں سے بھی خوب بحث ہوئی مگر وہ انہیں قائل نہ کر سکی۔ ان کی نفرت کھل کر سامنے آ رہی تھی۔ طباع ولی اٹھتے بیٹھتے نانو کی جلی کٹی باتوں کی زد میں رہتا تھا۔ زرتاب کو اشعر کا دکھ گھن کی طرح --- کھوکھلا کر گیا۔ پہلا اٹیک ہی جان لیوا ثابت ہوا اور وہ سفر آخرت کو روانہ ہو گئی۔ عارضی دنیا کو چھوڑ کر دائمی دنیا کو سدھار گئی۔ طباع ولی دم بخود رہ گیا۔ بیگم وقار نے اسے بری طرح جھنجھوڑ دیا تھا۔

"اماں! آپ کو خدا کا واسطہ۔" فاخرہ کا دل دہل گیا۔ انہوں نے اسے خود میں چھپا لیا۔ "دور لے جاؤ اس منحوس کو میری نظروں سے ورنہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں گی۔" بیگم وقار نے چیخ کر کہا۔ فاخرہ طباع ولی کو دور لے گئی۔ جبکہ امجد، نفیس اور زین استعجاب کے عالم میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

"ولی کی پٹائی کیوں ہوئی؟"

☼ ☼ ☼

"محبت ولا" میں سوگ کی کیفیت تھی۔ ہر کوئی اشعر اور زرتاب کی موت پہ اشکبار تھا۔ ابھی قدرت کی ستم ظریفی پہ سب حیران تھے کہ وقار صاحب بھی ان سب کو تنہا کر گئے۔ بیگم وقار پہ ہسٹریائی دورے پڑنے لگے۔ طباع ولی کو دیکھتے ہی وہ آپے سے باہر ہو جاتی تھیں۔ وہ بھول گئی تھیں کہ وہ ان کی عزیز بیٹی کا جگر گوشہ ہے۔ انہیں یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ تخریب کار ڈاکو لیرا اشعر کی اولاد ہے۔ ان کے گھر میں صف ماتم بچھانے والے کا [illegible] فاخرہ اور حجازی تھے جو اسے سنبھال رہے [illegible] میں تھا جب فاخرہ نے اسے سچائی سے آگاہ کر دیا تھا۔ اشعر کی زندگی اس کے سامنے کھول کر رکھ دی تھی۔

"ماما! میں پڑھ لکھ کر اچھا آدمی بن جاؤں گا۔ پھر نانو مجھے ڈاکو کا بیٹا نہیں کہیں گی نا؟" وہ بے چارگی سے گویا ہوا۔

"ہاں بیٹا!" فاخرہ کا دل پگھل گیا۔ طباع ولی اپنے وقت سے بہت پہلے بڑا ہو گیا تھا۔ سنجیدگی اس کی ذات کا حصہ بن گئی تھی۔ اس نے اپنی ذات کے گرد ایک دائرہ بنا لیا تھا۔ حجازی عمر سے دوستی پرانی تھی۔ وہ اس کے ہر درد سے واقف تھا۔ وہ سمجھ دار تھا۔ جان گیا تھا کہ نانو کو وہ زرتاب کا قاتل لگتا ہے۔ اس نے کبھی پلٹ کر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ان کی زیادتی پہ کبھی بدتمیزی نہیں کی تھی۔ راتوں کو وہ تکیہ بھگوتا تھا۔ زرتاب اور اشعر سے شکوہ کرتا تھا۔ ایک بار اسے اتنا غصہ آیا کہ اس نے برتھ سرٹیفکیٹ میں ولدیت کے خانے میں لکھا اشعر کا نام ہی کاٹ ڈالا۔ تب جواد نے اسے بہلانے کے لیے ولدیت میں اپنا نام لکھوا دیا۔

اس نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا۔ جواد نے اس کی پوری ذمہ داری اٹھا رکھی تھی۔ کالج میں حجازی اس کے ساتھ تھا۔ کالج میں ان کی دوستی ذیشان، حیدر، شرجیل اور ایاز سے ہوئی تھی۔ یوں "سکس اسٹارز" نے خوب ہی شرارتیں کیں۔ یونیورسٹی میں کتنی ہی حسیناؤں نے اس کی طرف پیش قدمی کی تھی مگر اس کے محتاط انداز پہ پیچھے ہٹ گئیں۔ لیکن لمحہ حیات میں وہ وقت بھی آیا جب شہر دل کے دروازے پہ کوئی سحاب صورت نمودار ہوا۔ دل کی گلیوں میں پیار کی خوشبو بکھر گئی اور دل اس خوشبو کا اسیر ہو گیا۔ براؤن بالوں اور دلربا کی فیشن ایبل وفا خان میں نجانے ایسی کون سی بات تھی جو اسے متاثر کر گئی۔ اس نے اس کی جانب پیش قدمی کی اور وفا خان نے اسے خوش آمدید کہا تھا۔ عشق زوروں پہ تھا۔ طباع ولی کو خبر ہی نہ ہوئی اور وہ اس کی عادت بن گئی۔ وفا خان کے اصرار پہ وہ اس کے والد افتخار خانزادہ سے ملنے گیا تھا۔ ہینڈسم، اسمارٹ، سرخ و سپید رنگت اور کالی بھنورا آنکھوں والے طباع ولی کو انہوں نے اوکے کر دیا تھا۔ آخر میں انہوں نے پوچھا۔

"تمہارے والد صاحب کیا کرتے تھے؟" تو اس نے سب سچ بتا دیا۔ وہ کوئی بھی محل جھوٹ کی بنیاد پہ تعمیر کرنے کا خواہش مند نہیں تھا۔ آن کی آن میں افتخار خانزادہ کا لب و لہجہ تبدیل ہو گیا تھا۔ انہوں نے اسے بے عزت کر کے نکال دیا۔ شہر دل میں کھلے پھولوں نے کانٹوں کا روپ دھار لیا۔ شکستہ دل میں درد کے سر تال چھڑ گئے۔ محبت کی شاہراہ پہ بہت دور تک چل کر وفا خان نے نگاہیں پھیر لی تھیں۔ استفسار پہ اس نے کہا تھا۔

"سوری ولی! مجھے خبر نہیں تھی تمہارا ماضی کیا ہے۔ میں کسی تخریب کار اور ڈاکو کے بیٹے سے کوئی بھی رشتہ استوار نہیں کر سکتی۔ میری طرف بڑھنے سے پہلے تمہیں سوچنا چاہیے تھا۔ ہم [illegible] کے لوگ

ہیں ڈی کیٹگری کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔" وہ نخوت سے نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ اس پل وہ سب بھول گئی تھی۔ وہ وعدے، وہ قسمیں، اسے بس یاد تھا تو صرف اے کیٹگری اور بس۔ طلال کے اندر جیسے کوئی موت ہو گئی تھی۔ اس کا چند لمحے پہلے مسکرا کر بات کرنے کا دلنشیں انداز، اس کی ذات، جذبات، اس کے دل کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ فقط دولت کے باعث وہ دل کی بازی ہار گیا تھا۔ وفا خان نے اسے پستی کی انتہا گہرائی میں گرا دیا تھا۔ اسے بتا دیا تھا کہ وہ ایک گندی نالی کا کیڑا ہے۔ اس کی رگوں میں ایک تخریب کار کا خون ہے، اس کی سانسیں ایک ڈاکو کی مرہون منت ہیں۔ اس نے اپنے اندر نفرت کا ایک چشمہ ابلتا محسوس کیا تھا۔ نفرت، بے انتہا نفرت بھی اس شخص سے جس نے اسے پیدا کر کے لوگوں کے بیچ ایک تماشا بنا دیا تھا۔ لوگوں کی تفریح کا ایک ذریعہ بنا دیا تھا۔ جس کا دل چاہتا تھا وہ اس سے نفرت کرتا تھا، اس کی روح کو نوچنے لگتا تھا، اس کے جسم میں نشتر چبھوتا تھا، اس کی انا، مان کو اپنے پیروں تلے روندتا تھا۔

وفا خان کی وجہ سے باقی سب دوستوں کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ وہ دہشت گرد کی اولاد ہے۔ سب نے اس کی دلجوئی بھی کی تھی مگر طلال کے دل میں کسی کے لفظ نہ اتر سکے۔ نفرت تو اسے ورثے میں ملی تھی۔ ہوا نے اس کے کاتبِ [illegible] نارسائی لکھ دی تھی۔

تعلیم کے حصول کے بعد سب ہی پریکٹیکل لائف میں داخل ہو گئے۔ نانو کی اذیت دیتی نگاہوں سے بچنے کے لیے اس نے ایئر لائن جوائن کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ فاخرہ اسے خود سے دور نہیں رکھنا چاہتی تھیں مگر وہ اس کی ضد کے آگے ہار گئیں۔ وہ اسلام آباد چلا گیا تھا۔ ٹریننگ کے بعد اس نے کراچی سے جان چھڑا کر اسلام آباد کو مسکن بنا لیا تھا۔

☼ ☼

یہ فسانہ ہے جو ہم روز سنا کرتے ہیں
رات بھر غور سے تاروں کو گنا کرتے ہیں
دیکھ کے ہم کو کیوں زمانہ ہنسے جاتا ہے
ہم تو وہ لوگ ہیں جو خود پہ ہنسا کرتے ہیں
کس کو معلوم میرے دل کے اجڑنے کا سبب
کون اس حال میں دکھ بانٹا کرتے ہیں
اس قدر ظلم نہ کر، خاموش نہ رہو یوں [illegible]
ورنہ یہ لوگ یوں ہی مار دیا کرتے ہیں

دریچے سے آفتاب جلوہ افروز تھا۔ اس کی کرنوں نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تو بے مزہ ہو کر اس نے سر سے کمبل کھینچ کر منہ پہ رکھا مگر نیند مسکراتی اٹھلاتی بھاگ چکی تھی۔ [illegible] رات جاگنے کے باعث سر بھاری ہو رہا تھا۔ باتھ روم میں گھس کر شاور لے کر نکلا تو فریش محسوس کیا۔ چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ وہ کمرے سے نکل آیا۔

"سب کہاں ہیں؟" اس نے سامنے سے آتی رحمت سے استفسار کیا۔ گھر میں گہری خاموشی تھی۔

"سب پچھلے حصے میں ہیں جی۔" وہ گویا ہوا۔

[illegible]

"ناشتہ کریں گے؟" ملازم مؤدب بولی۔

"نہیں۔" وہ پچھلے حصے میں آ گیا، جہاں گملوں میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ گھر کے لوگ ان سے زیادہ یہاں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ نانو کے سب ہی یہاں موجود تھے۔ پھولوں کی خوشبو ہوا کے دوش پہ سفر کر رہی تھی۔ بچے کھیل رہے تھے اور زین ان کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"آپ کب آئیں؟" نقش کو شعاع سے گفتگو کرتا دیکھ کر اس نے مسرت کا اظہار کیا۔ آج اتوار تھا، سب گھر پہ موجود تھے۔ نقش اپنے دو عدد بچوں سمیت اور علی کے ساتھ موجود تھی۔

"شکر ہے تمہارے اٹھنے کا انتظار کر رہی تھی۔ پتا نہیں کہ تم کب تک ہو جاتے۔" نقش نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ وہ شلوار سوٹ میں آستین کہنیوں تک فولڈ کیے

شاندار لگ رہا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس نے اپنا سر نقش کے سامنے جھکا دیا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے اس کے بالوں پہ پیار سے ہاتھ پھیر دیا۔ آٹھ سال بڑی تھی وہ اس سے مگر اس کے پیار لینے کا انداز اسے بہت بھاتا تھا۔

"ناشتہ لاؤں ولی؟" شعاع استفسار کر رہی تھی۔

"نہیں بھابھی! صرف چائے چاہیے اور وہ بھی ابھی۔"

"تمہیں کم از کم سلائس ہی لے لو۔" نقش کا انداز محبت بھرا تھا۔

"آپ فورس کر رہی ہیں تو ایک چھوڑ دو لے لوں گا۔" وہ شوخی سے گویا ہوا۔

"جانتی ہوں بہت فرمانبردار ہے میرا بھائی۔"

"یہ ناانصافی کیوں؟ کیا میں سوتیلا ہوں؟" زین بھی بچوں سے پیچھا چھڑا کر چلا آیا تھا۔ اب نقش سے خفا ہونے کا پروگرام بنا رہا تھا۔

"تو کیا یہ سوتیلا ہے؟" وہ دوبدو بولی۔ زین لاجواب ہو گیا۔

"اب بولو۔" طلال نے شوخی سے چھیڑا۔

"ہم اپنا [illegible] لاجواب [illegible]" زین گنگنانے لگا۔ شعاع نے چائے بنا کر کپ اس کے سامنے رکھ دیا۔ جواد اور اسجد خالصتاً "کاروباری" گفتگو میں مصروف تھے۔

"کتنے دنوں بعد دیکھ رہی ہوں تمہیں۔ ایئر لائن جوائن کرنے کے بعد تو جیسے تم بھول ہی گئے ہمیں۔" نقش شکوہ کر رہی تھی۔

"سوری، اب ان شاء اللہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔" وہ اسے ناراض نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"محبتوں سے نہیں بھاگتے ولی! یہ محبت ہی تو جینے کا بہانہ ہوتا ہے۔ پتا ہے، رات میں نے تمہیں خواب میں دیکھا تھا، تم بہت روتے تھے۔" اس نے نظریں چرا کر بولا۔ "صبح میری آنکھ کھلی تو میں نے شور مچا دیا کہ مجھے گھر جانا ہے مگر علی بضد تھے کہ آج چھٹی ہے گھر پہ رہو۔"

"لیکن آپ شوہر نامدار کو ٹھینگا دکھا کر چلی آئیں؟"

بات اچک کر زین کے ٹکڑا لگانے پہ سب مسکرا دیے تھے۔ نقش نے اس کے شانے پہ ایک دھپ رسید کی۔

"دادو کے کیا حال ہیں؟ ان کا رویہ ٹھیک ہوا؟" نقش نے ماں سے پوچھا۔

"دادو نے کل پھر دل سے مس لی ہو گیا ہے۔"

جواب زین نے دیا۔ وہ خاموشی سے گرم چائے کے سپ لے رہا تھا۔

"ایک عمر ہو گئی، ہزاروں موسم آئے گئے مگر دادو کی سوچ نہیں بدلی۔" اس کی آواز میں دکھ کی آمیزش تھی۔

"صرف چائے ہی پیے جا رہے ہو۔ ایک سینڈوچ ہی لے لو۔" فاخرہ نے گفتگو کا رخ موڑ دیا جیسے اس کے دلی حالات سے آگاہ ہو گئی ہوں۔ جواد کے دوست آئے تھے، وہ اٹھ کر چلے گئے تو اسجد بھی ان کی طرف چلا آیا۔

"اچھا ماما! شتر بے مہار کی طرح پھر رہے ہیں دونوں۔ کوئی انتظام کریں ان کا۔" دونوں کو دیکھ کر نقش نے کہا۔

"آپ کو ہماری "آزادی" کھٹک رہی ہے؟ ہم علی بھائی سے ٹیوشن پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے شادی کو "مضر صحت" قرار دیا ہے۔" زین کی شوخی عروج پہ تھی۔

"میرا ارادہ زویا کے لیے تھا مگر بھابھی۔۔۔" فاخرہ ادھوری بات کر کے چپ ہو گئیں جیسے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ اس نے اس گھڑی خود کو چور محسوس کیا۔

"وہ فیشن ایبل اور نک چڑھی مغرور حسینہ کسی لائق نہیں ہے ماما! ممانی نے بات کرنے سے پہلے آپ مجھ سے پوچھ لیتیں تو میں تب بھی انکار کر دیتا۔" زین کو کل کی باتیں پھر سے تازہ کرا گئیں۔ نقش اس کے شدید ردعمل پہ حیران ہوئی۔ شعاع اسے دھیرے دھیرے بتانے لگی۔ وہ یہاں سے اٹھنا چاہتا تھا مگر محبت کی ان دیکھی زنجیروں سے مجبور تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ شاباش زین! تم نے بالکل ٹھیک

کیا۔" وہ اس کا شانہ تھپکنے لگی۔

"پھر کیا سوچا ہے بیٹا؟"

"میں تو چاہتی ہوں دونوں بیٹیوں کی شادی ایک ہی دن کروں مگر یہ ناممکن نہیں۔" فاخرہ نے اس کے بال بکھیرے۔

"کیوں؟" نقش جرح کے موڈ میں تھی۔

"بھئی آپ لوگ اپنی توپ کا رخ زین کی طرف کریں۔" اس نے جان چھڑائی۔

"ٹھیک ہے پہلے زین کی کروں پھر دیکھتی ہوں تم کیسے بچتے ہو۔" فاخرہ کہتی اٹھ گئیں۔

"ہاں تو محترم زین صاحب! زویا فیشن ایبل بھی ہے، مغرور حسینہ ہے۔ تمہارے خیال میں لڑکی کیسی ہونی چاہیے؟" نقش کا انداز جان لینے والا تھا۔

سب ہی زین کی درگت بنتے دیکھ رہے تھے۔

"بس اتنا ہو کہ میرے ساتھ چلتی بری نہ لگے، بال نہ زیادہ لمبے نہ زیادہ چھوٹے، رنگت نہ گوری نہ کالی، سلونی شام سی ہونی چاہیے۔" وہ زین فراٹے سے بول رہا تھا۔

"اب ایسی لڑکی ہم کہاں ڈھونڈیں؟" نقش اتاولی ہوئی۔

"میرا خیال ہے تم کنوارے ہی رہو گے۔" نقش جلانے کو بولی۔

"ہے ایک ایسی لڑکی۔" اس نے دھماکا کیا۔ سب ہی اچھل پڑے۔ طباع ولی کے علاوہ وہ اسجد کی چیئر پہ دایاں بازو پھیلائے مسکراتی نظروں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔

"ہمیں بھی ڈھونڈ کے دکھا دیجیے، کون ہے وہ؟" نقش برہم ہوئی۔

"آپ لوگ جانتے ہیں اسے۔" زین ستانے پہ تلا ہوا تھا۔

"اب بتا بھی دو۔" شعاع چڑ گئی۔

"کسی نے صحیح کہا ہے بھاوج جتنی ماڈرن ہو جائے نند کا بھلا نہیں چاہتی۔" نقش بھی چبھن سے گھور رہی تھی۔ وہ زین حظ اٹھا رہا تھا۔

"سمجھ جائیں نا یہ موصوف آپ کی نند لائبہ کو زین بنانے کے موڈ میں ہیں۔" خاموش بیٹھے ولی نے کہا تو نقش، شعاع ایک لمحے کو متحیر رہ گئیں۔ وہ استعجاب بھری نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"تمہیں کب خبر ہوئی؟"

"بس ہو گئی۔" اس کی بے نیازی قابل دید تھی۔

"نظرباز، بہن کی نند پہ نظر رکھتے شرم نہیں آئی؟" شعاع غیرت دلانے کو بولی۔

"جب آپ کو دوست کے بھائی پہ نظر ڈالتے شرم نہ آئی تو پھر میں تو آپ کا ہی دیور ہوں۔ آپ ہی کے نقش قدم پر چل رہا ہوں۔" زین کی شوخی پہ شعاع جھینپ گئی۔ اسجد بھی جھل ہو کے سر کھجانے لگا۔ شعاع اور اسجد کی بہن کالج فرینڈز تھیں اسی بہانے آنا جانا تھا پھر اسجد اور شعاع ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے، سو شادی بھی ہو گئی۔ دونوں کے قہقہوں سے شعاع تو دوہری ہو چکی تھی۔

* * *

... لگی ... زندگی ... رولوں کی ... اپنی بے بسی پہ ... اب بے حسی کر ... تھا جس ... لیکن ہوا ... نہیں ...

زین جب سے واپس گیا تھا منگنی کی رسم بخیر و خوبی انجام پا چکی تھی۔ اب شادی کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ باری باری سب ہی اسے فون کر کے آنے پہ اصرار کر رہے تھے اور وہ ... نہیں تھا کہ وہ ان سب کے لیے دل میں محبت بھرے جذبات نہیں رکھتا تھا۔ اس کے وہاں نا جانے کی وجہ تھیں جن کی نفرت بھری ایک نظر اسے بھسم کر دیتی۔ وہ بڑے سے بڑے طوفانوں کے آگے تن جاتا مگر ان کی ایک نظر اسے بھربھری ریت کی طرح بکھر جانے پہ مجبور کر دیتی تھی۔ فاخرہ نے بہت کوشش کی کہ وہ بھی شادی کو راضی ہو جائے مگر اس کی "ہاں" میں نہ بدلی۔ جب بھی شادی کا ذکر نکلتا تھا

خان کی نظریں اپنا تمسخر اڑاتی نظر آتی تھیں۔ "طباع ولی تم جیسی لڑکی تمہیں اپنا شوہر نہیں بنا سکتی۔" آج بھی وفا خان کی آواز سماعت کے دریچوں میں اودھم مچاتی تھی۔

حجازی نے تو یہاں تک کہہ ڈالا تھا "ولی! وفا خان نے تم سے محبت نہیں کی، اس نے صرف فلرٹ کیا تھا۔ محبت انسان کو بہت فراخ دل بنا دیتی ہے۔ محبت نام ... نہیں ہوتی، یہ روحوں کا ملاپ ہے۔" پھر بھی اس کا دکھ کم نہیں ہو رہا تھا۔

زین کی دھمکی پہ وہ خود کو مضبوط کرتا چلا آیا تھا۔ اسے ... تھا سب ... گے مگر سب نے ... کہا تھا۔ وہ ان سب کی محبتوں کا مقروض ہوا جا رہا تھا۔ بابا کو سلام کرنے کے بعد اس نے غیر شعوری طور پہ ان کی نظروں سے بچنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی آمد پہ سب ہی خوش تھے، بہت سے کام اس نے اپنے ذمے لیے تھے۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی وہ نماز پڑھنے جا رہا تھا ... سے باہر نکل گیا۔

"جب رب پاک کے آگے سجدہ کرتا ہے تو سب سے پہلے اپنا دل صاف کرو، دل کا میل نکال دو۔ کسی سے نفرت کرتے ہو تو اس جذبے سے نجات حاصل کرو۔ رب ایسے بندے کو ناپسند فرماتا ہے جو اس کے ہی بندے سے نفرت کرتا ہے۔ رسول پاک نے ہمیں ایک دوسرے سے محبت کرنے کا درس دیا ہے۔ ایک دوسرے کو معاف کرنا سکھایا ہے، یاد کرو اگر تم ایسا نہیں کرتے، دلوں میں بغض، عناد رکھتے ہوئے سجدے کرتے ہو تو رب تمہاری عبادت کو قبول نہیں کرتا۔ تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، دل کو سکون نہیں ملتا۔ یہ اس وقت ہو گا جب تمہارا دل صاف ہو جائے گا۔" پیش امام صاحب دائرے میں بیٹھے لوگوں سے محو گفتگو تھے۔ لفظوں کے جگنو چراغ جلا رہے تھے۔ طباع ولی کے قدم کانپنے لگے تھے۔ اسی کے گھر میں کھڑے ہو کر وہ اس کے ہی بندے کے بارے میں نفرت سے سوچ رہا تھا۔ کیوں؟ وہ جیسا بھی تھا تھا تو اللہ کا پیدا کردہ۔ اب جب وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا تو ایک مرے ہوئے انسان کو برے نام سے یاد کرنے کا اسے کیا حق تھا۔ بھلے اس کے ولدیت کے خانے سے اس کا نام خارج کر دیا تھا مگر تھا تو وہ اشعر ہی کی اولاد، کیا یہ حقیقت روز آخرت تک بدل سکتی تھی؟ نہیں۔۔۔ تب اس نے اپنے رب کے آگے سچے دل سے توبہ کی تھی، اپنی نادانی کی معافی مانگی تھی اور اس کے اندر سکون پھیلتا جا رہا تھا۔

زین نے اس کے تمام دوستوں کو بھی انوائٹ کیا تھا۔ سب نے ہی بھرپور شرکت کی تھی۔ شرجیل اور اعیاز بیچلر کی فہرست سے نکلنے والے تھے جبکہ حیدر کا اس کی کزن سے نکاح ہو چکا تھا۔ اس نے زین اور لائبہ کو ماریشس کا ویزا اور ٹکٹ گفٹ کیے تھے اور زین اسے دعائیں دیتے نہیں تھک رہا تھا۔

* * *

اک بار وفتی شہر سے واپس آکر
میں نے اپنا شہر بسایا تنہائی میں

ایک بار پھر وہی اس کا فلیٹ تھا۔ وہی ملول ہوا کے دوش پہ سفر تھا اور اس کی تنہائی تھی۔ وہ فل یونیفارم میں تھا۔ آج لیٹ ہو گیا تھا کیونکہ فلائٹ لیٹ تھی۔ اپنے فلیٹ کے قریب پہنچا تو دیکھا فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ خوش ہو گیا۔ اسے خبر تھی کہ کون آیا ہے۔ اس کے فلیٹ کی ایک چابی حجازی عمر کے پاس رہتی تھی۔ وہ جب بھی اسلام آباد آتا تھا اس کے فلیٹ میں ضرور قیام کرتا تھا۔ اس کے میٹرس پر دراز وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہا ہے۔ کیپ اتارتے اس نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا پھر فریش ہونے چلا گیا۔ بلیو جینز اور وائٹ بنیان میں تولیے سے بالوں کو رگڑتا کسی ہٹ نمبر کو گنگناتا واپس آیا تو وہ جاگ چکا تھا مگر کسلمندی سے پڑا ہوا تھا۔

"کب آئے؟" "تھوڑی دیر پہلے تک تو میں جاگ رہا تھا۔"

"جب تمہاری آنکھ لگی تب ہم کب آئے؟"

"شام کا آیا ہوا ہوں؟" وہ اٹھ بیٹھا۔

"بزنس کے سلسلے میں آئے تھے؟"

"ہوں۔ تم نے کھانا کھالیا؟"

"ہاں، میں نے وہیں کھالیا اور تم؟" اب وہ ڈرائیر سے بال خشک کر رہا تھا۔

"میں نے اسپگھٹی بنائی ہے۔ تم ٹھہو، لے کر آتا ہوں۔" حجازی عمر کچن کی طرف مڑ گیا۔ واپس آیا تو ٹرے میں اسپگھٹی پلیٹیں، اسپون، نمک، کالی مرچ اور کروکٹس کا پیک موجود تھا۔

"تم خاصے سگھڑ نہیں ہوگئے؟" وہ بالوں میں برش کرتے چھیڑنے لگا۔

"کیا معلوم کرنے والی نہ آئے، کروانے والی آئے تو اسی کی پریکٹس کر رہا ہوں۔" اس کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

"کافی دن ہوگئے تم نے کراچی کا چکر نہیں لگایا۔ ممانی گلہ کر رہی تھیں۔" تکیے سے ٹیک لگائے آرام دہ حالت میں بیٹھا حجازی عمر کافی کے سپ لے رہا تھا۔

وہ ایک دم اٹھتے ہوئے بولا۔

"ابھی زین کی شادی میں تو گیا تھا۔"

"اس بات کو پانچ ماہ کا عرصہ بیت گیا مسٹر اور اب زین ابا بننے والا ہے۔"

"رئیلی، اتنے دن ہوگئے؟" وہ خفیف سے گویا ہوا۔ گیا بے خبری تھی۔

"تم ایسے کیوں ہوتے جارہے ہو ولی؟ کوئی اتنا بھی بے خبر ہوتا ہے؟ کب تک خود کو سزا دو گے؟ بھول نہیں سکتے تم وفا خان کو؟"

"بھول چکا ہوں اسے۔" وہ سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی مگ کے کنارے پھیر رہا تھا۔

"جھوٹ، جب بھول چکے ہو اسے تو کیوں شادی سے مسلسل انکاری ہو؟ کیوں اس کی راہ تک رہے ہو۔ جو تمہیں چھوڑ کر چلی گئی، تم نے اب تک اسے ساتھ کیوں رکھا ہوا ہے؟ وہ لوٹ کر آنے والی ہوتی تو جاتی کیوں؟ آئی تھنک اس نے شادی بھی کرلی ہوگی اور وہ گرہستی میں مشغول ہوگی۔" اس نے استعجاب بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ حالانکہ اس نے حجازی عمر سے بھی یہ بات پوشیدہ رکھی تھی کہ اس نے وفا خان کو لندن میں دیکھا ہے۔ اس کی ایک پیاری سی بیٹی ہے اور وہ خود ہی سب جان گیا تھا۔

"شرجیل اور اعجاز ٹھکانے لگنے والے تھے۔ کب لگ رہے ہیں؟" اس نے پیشانی پہ بکھرے بال دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھائے۔

"دونوں کی شادی کمنگ منتھ میں متوقع ہے۔ دونوں کی یہی کوشش ہے۔ ڈیٹ کلیش نہ ہوں۔"

"حیدر کب رخصتی کروا رہا ہے؟"

"آئی ڈونٹ نو۔" وہ بے مزا ہو رہا تھا۔ درحقیقت طباع ولی کی تنہائی نے اسے اس نہج پر سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ خالی ویران اجاڑ فلیٹ میں اس نے گہری خاموشی دیکھی تھی۔ در و دیوار دہائی دیتے محسوس ہوئے تھے۔

"سب کی شادی کے پیچھے پڑے ہو، تم بتاؤ کب کر رہے ہو؟" مسلسل سوال کرتے وہ اس کا دھیان خود سے ہٹا رہا تھا۔ حجازی پڑوس کی نتاشا میں انوالو تھا مگر وہ لوگ برادری سے باہر شادی کرنے کو تیار نہ تھے۔

"اکیسویں صدی میں رہ کر بھی لوگ ذات برادری کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے بھی چاہے دس بار پروپوزل بھیجنا پڑے بھیجوں گا، مجھے شادی نتاشا ہی سے کرنی ہے وہ بھی پورے باوقار طریقے سے۔"

"ویری گڈ۔" اس نے اسے سراہا۔

"چل باہر واک کر کے آتے ہیں۔" وہ اٹھ کر شرٹ پہننے لگا۔

"واپس کب جائے گا تو؟" گریبان کے بٹن بند کر کے اب وہ رسٹ واچ باندھ رہا تھا۔

"کل۔" سانس خارج کرتے حجازی عمر نے بے ساختہ اس کی خوشیوں بھری زندگی کے لیے دعا کی۔

✡ ✡ ✡

چھ ماہ بعد اس کی کراچی آمد ہوئی تھی، وہ ان کے

نرغے میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ سب یوں جم کر بیٹھے تھے جیسے اس کی شادی کروا کر ہی اٹھیں گے۔ فاخرہ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا۔ "اگر تم نے ہاں نہیں کی تو میں تمہاری شکل نہیں دیکھوں گی۔" بطور احتجاج دو دن کسی نے اس سے سیدھے منہ بات نہ کی اور وہ ان کی محبتوں سے ہار گیا۔ وہ سب اس کی تنہائی دور کرنے کے خواہاں تھے۔ بجز دوران زیست میں بہار لانے کے تمنائی تھے۔ اس کی بھلائی چاہ رہے تھے۔ وہ کب تک ان لوگوں کی محبتوں کو آزمائش میں ڈالتا، کب تک ماضی کی دھول میں اٹا رہتا۔ اس نے دل سے ہر یاد جھٹک دی۔ تمام نقش مٹا دیے۔ وفا خان سے وابستہ ہر تلخ یاد کو مٹانے کا فیصلہ کر لیا۔

تجھے بھول جانے کا وعدہ کیا ہے
سنو میں تمہیں بھول جانے لگا ہوں

اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ جھکے سر کے ساتھ اس نے فاخرہ سے کہا تھا۔

"مما! آپ لوگ جس لڑکی سے چاہیں میری شادی کر دیں لیکن اسے میرے ماضی سے ضرور آگاہ کر دیجیے گا پلیز۔ کسی کی مشکور نگاہیں برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔ اگر وہ لڑکی اور اس کی فیملی مجھے میرے ماضی کے ساتھ قبول کرتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں داخل ہونے والی لڑکی کو بھرپور رفاقت سے نوازنا چاہتا تھا۔

☼ ☼

ہمیں ساحلوں کے قبیلے سے ہوں مگر میرا رب
وہ محتسب ہے سارے حساب رکھتا ہے

اگر یہ کہا جائے زندگی مکافات عمل کا دوسرا نام ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں خواہ اچھا یا برا عمل ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ چاہنے کے باوجود دل دکھانے والے کو سزا نہیں دے سکتے۔ ہماری بے بسی صبر اس سے مخفی نہیں ہے۔ بے آواز آہیں وہ سن لیتا ہے۔ جب وہ احتساب کرتا ہے تو ہمیں اماں نہیں ملتی۔

اسے آئے دوسرا دن تھا جب کراچی سے کال آگئی کہ نانو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ بایاں پیر بری طرح کچلا جا چکا تھا۔ نانو نے ہمیشہ اس سے نفرت و بےزاری کا اظہار کیا تھا۔ اس کے دل میں نفرت کے بیج بوئے تھے مگر وہ ان کی عزت کرتا تھا ان سے محبت کرتا تھا۔ اطلاع پہ بھاگا چلا آیا۔ اس عمر میں بھی نانو کی صحت قابل رشک تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ رات کو واک کرنے نکلی ہوئی تھیں۔ ملازم ساتھ تھا مگر مخالف سمت سے آنے والی تیز رفتار گاڑی ان کا پیر کچلتی چلی گئی۔ گھٹنے تک ہڈیاں چور ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹر نے یہی کہا تھا ٹانگ کاٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کروفر سے چلنے والی نانو وہیل چیئر کی زینت بن گئیں۔ سب کی آنکھیں ان کی بے بسی پہ اشکبار تھیں۔ طباع ولی سرخ آنکھیں لیے سب دیکھ رہا تھا۔ نانو کو اس انداز میں دیکھنا اسے دکھ دے رہا تھا۔ قسمت کے آگے سب بے بس ہو گئے۔ قسمت کے آگے راضی بہ رضا ہو گئے مگر وہ ان کا سب سے زیادہ دھیان رکھتا تھا۔ نانو اس سے بات نہیں کرتی تھیں مگر وہ ان کے آگے پیچھے پھرتا تھا۔ کئی بار انہوں نے اسے بری طرح ڈانٹ دیا تھا مگر وہ ان کے [illegible] مسلسل تیمارداری نے آخر پتھر میں جونک لگا دی۔ وہ اب ان کو دوا کھلا رہا تھا اور انہوں نے خاموشی سے کھا لی تھی۔ اس کے چہرے پہ روشنیاں پھوٹ پڑیں۔ انہیں ٹائم پہ دوا کھلانا، مرہم لگانا اس نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ ایک خاموش معاہدہ ہو گیا دونوں کے درمیان۔ گھر والے نانو کے راضی ہو جانے پہ خوش تھے۔

☼ ☼ ☼

"دادو! یہ ٹیبلٹ آپ کب لیتی ہیں؟" شعاع ڈھیر ساری دوائیاں اٹھائے چلی آئی۔ "مجھے نہیں پتہ، طباع سے پوچھو۔" ان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ شعاع نے حیرت سے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔ "وہ تو جا چکا ہے۔ پہلے ہی کافی چھٹیاں ہو گئی تھیں اس کی۔ آپ کو یاد تو ہوگا کون سی دوا کب دینا ہے۔" شعاع کو مشکل ہو رہی تھی۔ پہلے یہ ڈیوٹی طباع

انجام دیا کرتا تھا۔ اس کی کال آگئی تو اسے جانا پڑا۔ جاتے ہوئے اس نے شعاع کو دواؤں کے اوقات سمجھا دیے تھے "مرہم کون سا کس وقت لگانا ہے" مگر اتنی ساری دوائیوں نے اسے سب بھلا دیا تھا۔ اب وہ مشکل میں گھر گئی تھی۔

"وہ خود ہی کھلاتا تھا اسی سے جا کے پوچھو مجھ سے کلام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" نانو ان دنوں بے حد چڑچڑی ہو رہی تھیں۔ اتنے دن اس نے تیمارداری کی تھی۔ رات کے کسی بھی پہر جگانے پر اس کی پیشانی پہ ایک بھی بل نہیں آتا تھا۔ غیر محسوس طریقے سے وہ اس کی عادی ہو گئی تھیں۔ ان کا دل بہلانے کو وہ اخبار، رسالے، اشعار اور اقتباس پڑھا کرتا تھا۔ جب سے وہ گیا تھا وہ خود کو اپاہج سمجھ رہی تھیں۔ "لڑکی ڈھنگ کی جاب کرنے کو نہیں ملی اسے ہوا میں اڑنے کا زیادہ ہی شوق ہے۔ نہ کوئی رشتہ نہ رو[illegible] زرتاب ہوتی تو کبھی اپنے لخت جگر کو پلٹ نہ دیتی۔ کتنی ڈرپوک ہوا کرتی تھی وہ۔ اس کے بچے کی خاطر [illegible]" وہ خود کلامی کے انداز میں [illegible] شعاع [illegible]

اوپر والے کے کھیل نرالے ہیں کب کہاں کے چت کر دے یہ انسان کی فہم سے بالاتر ہیں۔ اس کے انداز۔ شعاع کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اسے فون کرے۔ رابطہ ملتے ہی اس نے نانو کی خیریت دریافت کی تھی۔ اس کے انداز میں وارفتگی نمایاں تھی۔ پھر وہ شعاع کو دواؤں کا طریقہ استعمال بتانے لگا۔ وہ نانو کا خیال رکھنے کی تاکید کر رہا تھا۔ دل بہلانے کے گر بتا رہا تھا۔ اسپیکر سے آتی اس کی آواز نانو کو شرمسار کر گئی۔

"کتنا تڑپتی ہو گی میری زرتاب کی روح، اس کے جگر گوشے کے ساتھ میں نے کتنا برا برتاؤ کیا۔ سچ کہتے ہیں لوگ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ اس معصوم کی آہ لگی ہے مجھے۔" نانو خود احتسابی کے عمل سے گزر رہی تھیں اور جب وہ انہیں دیکھنے آیا تو نانو نے ہاتھ جوڑ کر گزشتہ رویے کی معافی مانگ لی۔ وہ اسے پیار کر رہی تھیں، واری صدقے ہو رہی تھیں۔ وہ ساکت رہ گیا تھا۔ نانو کے بدلنے پہ اسے بےحد سکون نصیب ہوا۔ نفرت کا بے بنیاد وجود صفحہ ہستی سے مٹ چکا تھا۔

☼ ☼

تیری شادی کی باتیں چل رہی ہیں آج کل بیٹا
سو تیرا صاف ستھرا ہر گھڑی ہونا ضروری ہے
میرا مطلب مہینوں تک نہ ہو فرصت نہانے کی
تو پھر ہفتے کے ہفتے ہاتھ منہ دھونا ضروری ہے

گیلے بالوں میں انگلیاں چلاتے اس نے لان میں قدم رکھا جہاں سب شام کی چائے پی رہے تھے۔ یقیناً اس کی شادی کا موضوع زیر گفتگو تھا۔ سوالیہ دیکھتے ہی زین کی طبیعت بھڑک گئی۔ اس سچویشن پہ اس نے برجستہ حسب حال شعر پڑھا تھا۔

"الحمدللہ دن میں دو بار نہاتا ہوں۔ تمہاری طرح نہیں ہوں جسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ پچھلی بار کب نہائے تھے۔" موڈ اس کا بھی خوشگوار تھا سب ہی مسکرا اٹھے تھے۔

"ہاں اب ان کے منہ میں بھی زبان آگئی ہے۔" زین کے لیے خاموش رہنا بڑی سزا تھی۔

"لائبہ! تمہارے پاس کوئی علاج نہیں ہے اسے چپ کرانے کا؟ ان فیکٹ زین جیسے شوہر رکھنے والوں کو تو [illegible] چاہئیں۔" اس کے لہجے میں کھنک تھی۔ لائبہ جھینپ گئی۔

"زین کو تو لائبہ سنبھال ہی چکی ہے، ہماری ہمدردی تو اس ان دیکھی لڑکی کے ساتھ ہے جسے تمہیں سنبھالنے کے لیے نجانے کون کون سے گر سیکھنے پڑیں گے کیونکہ تم تو "مرغی" کی طرح سیدھے ہو۔" شعاع نے بھی لب کشائی کی۔

نانو نے محبت پاش نظروں سے اس کے کھلے چہرے کو دیکھا تھا۔ فاخرہ کے دل میں اطمینان اترنے لگا۔ سب نوک جھونک میں مصروف تھے تب ہی فاخرہ نے بتایا کہ انہوں نے اس کے لیے لڑکی ڈھونڈ لی ہے۔ شعاع کی دور پرے کی رشتے دار ہے۔ اس نے کوئی

اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس نے پھر وہی جملے دہرائے کہ اس کا ماضی نہ چھپایا جائے۔ شجاع نے سر ہلا کر اسے تصویر پکڑا دی۔

"سارہ نام ہے اس کا۔ لڑکی پراعتماد اور مخلص ہے۔ انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کر رکھا ہے۔" شجاع ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔ آف وائٹ ریل سوٹ میں ملبوس، کانوں میں ننھے بندے، بڑی بڑی جھیل سی آنکھوں والی سارہ اسے اچھی لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

ثمن نے نیم اندھیرے کمرے میں قدم رکھا تو کچھ لمحے اسے کچھ نظر نہ آیا۔

اندھیرے سے مانوس ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کر کھٹ سے فانوس روشن کر دیا۔ دریچے سے لگ کر کھڑی وہ ایک پرسوز غزل لگ رہی تھی۔ روشنی پھیل جانے پر اس نے گردن موڑ کر آنے والے کو دیکھا۔ ثمن کو دیکھ کر پھیکی مسکراہٹ لبوں پہ سجاتی دریچے سے ہٹ گئی۔

"آؤ بیٹھو۔"

"میں بیٹھنے نہیں، تم سے لڑنے آئی ہوں۔" وہ تنک کے بولی۔ تیور خاصے بگڑے ہوئے تھے۔

"مجھ میں تو ذرا اسٹیمنا نہیں ہے لڑنے کا۔ چلو تمہاری یہ خواہش بھی..." وہ دلسوز انداز میں مسکرائی۔ "تمہاری آنکھوں کے سمندر میں چھپا تلاطم صاف دکھائی دے رہا ہے۔" لب دبا کر وہ پلکوں پہ موتی چننے لگی۔ "کیا اب تک یہی چلے گا ساری؟" اس کی حالت نے ثمن کو ٹھنڈا کر دیا ورنہ آنٹی سے ملنے کے بعد اسے اس پہ بےطرح غصہ تھا۔

"تمہیں تو تمہاری پٹائی کرنے آئی تھی انہیں نصیحت کرنے آئی تھی۔"

"مرے ہوئے کو کیا مارنا۔" وہ آبدیدہ تھی۔

"زندگی میں کتنے ہی موڑ آتے ہیں۔ ایک بات کو مستقل سوار رکھنا صحت مند ذہن کی نشانی نہیں ہے۔ اتنی مستقل مزاجی بھی اچھی نہیں ہوتی۔" وہ خاموشی سے آنسو رگڑ رہی تھی۔

"جانتی ہو آنٹی نے مجھے آج کیوں بلایا ہے؟"

"یقیناً انہوں نے تمہیں مجھے قائل کرنے کو کہا ہوگا۔ ہزار بار کہہ دیا ہے مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ الجھ گئی۔

"کیوں نہیں کرنی؟ کب تک کرو گی انتظار؟ تم بخوبی واقف ہو اس کی زندگی میں کوئی اور ہے۔ اسے تمہارے جذبوں کی خبر نہیں، وہ تم سے محبت نہیں کرتا پھر تمہارے انکار کو کس زمرے میں رکھا جائے؟" ثمن تلخ ہو گئی۔

"سراب کا پیچھا فضول ہے۔ ساری بھول جاؤ اسے۔ تمہارے نصیب میں نہیں تھا۔ اس کی محبت تمہارے نام نہیں لکھی کاتب تقدیر نے۔"

"پلیز ثمن، پلیز کچھ مت بولو۔ اندر ایک آگ سی ہوتی ہے۔"

"ہم کہہ رہے ہیں جیون ساتھی کی محبت سے یہ آگ بجھ جائے گی۔ ... انتظار ... تمہیں اسے بھلانا ہوگا۔" ... سخت بے بسی تھی۔

"تم اکلوتی اولاد ہو انکل آنٹی کی۔ والدین کے حقوق تم پر بھی ہیں۔ کیوں بڑھاپے میں خوار کرنا چاہ رہی ہو؟"

"میں شادی کسی کی محبت میں نہیں کروں گی۔" ثمن نے ... پوچھنے کو تیار نہ تھی۔

"ٹھیک ہے اگر مجھے کچھ ہوا تو اس کی ذمہ دار تم ہو گی۔ سوچ لو آج کی رات ہے تمہارے پاس۔ کل شاید تمہیں تمہاری ماں نظر نہ آئے۔" ... ماما اسی وقت کمرے میں آئی تھیں، پیچھے آئی تھیں ویسے ہی چلی گئیں۔

"ماما..." سارہ کی آواز بھی نہ نکل سکی۔ ثمن چپ چاپ اسے اشک بہاتے دیکھ رہی تھی۔

"جاؤ ماما کو کہہ دو میں ہار گئی، کر دیں میری شادی۔ موت تو آنی ہی ہے۔ ... کسی کے نام سے

جڑتے ہی مر جائے گا، تن بھی سہی۔ جاؤ کہہ دو وہ راہ محبت میں ہم نے سب قربان کیا۔" لہجہ ٹوٹا بکھرا تھا۔ ثمن نے آپ بچل کر لفافے میں بند تصویر اسے پکڑائی۔ لفافے سے نکالے بنا اس نے تصویر کے ٹکڑے کر دیے۔

وہ دونوں بچپن کی دوست تھیں۔ اسے کالج تک دونوں نے ساتھ رکھا تھا پھر ثمن کی شادی ہو گئی اور وہ پیا کے ہمراہ دوسرے شہر چلی گئی۔ شادی کے بعد بھی اس نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ آنرز میں وہ اکیلی ہی تھی یہاں تک کہ اس نے ماسٹرز بھی کر لیا۔ ثمن کے شوہر کا ٹرانسفر یہاں ہو گیا تھا۔ اس طرح دو بچھڑی دوست ایک بار پھر مل گئیں۔ تب اس نے بتایا تھا کہ اسے محبت ہو گئی ہے لیکن جس سے ہوئی ہے وہ کسی اور میں انوالو ہے۔ اس یکطرفہ محبت پہ ثمن نے دھیان نہ دیا۔ اس کا خیال تھا اس کے سر سے محبت کا بھوت اتر جائے گا۔ بھلا یکطرفہ محبت بھی کوئی اثر رکھتی ہے؟ مگر اس کی خام خیالی تھی۔ گزرتے وقت نے اسے بتا دیا ... ثابت قدمی سے ... انتظار ... اور رضا صاحب ... گھر بسانے کے لیے کوشاں تھے مگر وہ راضی نہیں تھی۔ بالآخر اس کی ہٹ دھرمی نے مدیحہ کو بلیک میلنگ پہ مجبور کر دیا۔ یہ حربہ کارگر رہا تھا۔ وہ بے دلی ہی سے سہی راضی ہو گئی تھی۔

"ساری! یوں خود کو اذیت دے کر تو اپنا نقصان کر رہی ہو، بھول جاؤ اسے۔" ... نے بالوں کے زرد جوڑے میں ... دیکھتے جیسے استدعا کی۔ گیندے کے کنگن کلائی سے نوچتے اس نے مجروح لہجے میں کہا تھا۔

اسے بھلانا ہی اگر میرے بس میں نہیں
جو اختیار میں ہوتا تو کیا بھلا دیتے

ثمن کو اس کی دیوانگی سے خوف آنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی شادی پر فاخرہ نے ہر ارمان پورا کیا تھا۔ دلہن بنی سارہ رخصت ہو کر حجلہ عروسی میں آ چکی تھی اور اب بھرے کمرے میں منہ دکھائی کی رسم ہو رہی تھی۔ دل کی آنکھوں میں جو بکھر گیا تھا وہ اسے نکالنے کو کوشاں تھا۔

تو سامنے ہے تو پھر کیوں یقین نہیں آتا
یہ بار بار جو آنکھوں کو مل کے دیکھتے ہیں

زین نے اس کی کوشش پہ یہ شعر پڑھا تو اس کے گنگنانے پہ کمرے میں موجود سب ہی نے قہقہہ لگانا فرض سمجھا تھا۔ مووی کیمرے کی لائٹ آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ اس نے سرخ رنگوں میں ڈھلے وجود کو چور نظروں سے دیکھا۔ پتہ نہیں گھونگھٹ ہی کچھ زیادہ لمبا تھا یا دلہن ہی زیادہ شرمیلی واقع ہوئی تھی۔ جو بت کی طرح ایستادہ تھی۔ اس نے پہلو میں موجود طباع کو دیکھنے کی بالکل بھی کوشش نہ کی۔

"دلہا بھائی ذرا صبر، ابھی سب یہیں ہیں۔" ... نے اس کی چوری پکڑی۔ وہ اک عدد خوبصورت بیچلر ... تھا۔ اور زین کی رفاقت میں پٹر پٹر بولنے لگی تھی۔

"آخر کب تک رہیں گے؟" اس نے بھی بےتابی کا مظاہرہ کیا۔ کمرہ قہقہوں سے گونج گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے بالوں میں انگلیاں پھیر کر سب کو اپنی حاضر جوابی سے محظوظ کر رہا تھا۔ دلہن بنی سارہ کی سماعت میں سارے الفاظ گونج رہے تھے وہ انہیں سمجھنے سے قاصر تھی۔ شگفتہ جملے، بذلہ سنجی سے فقط زین کا شور لگ رہی تھی۔ وہ حقیقتاً حواسوں میں نہیں تھی۔ کب نکاح ہوا، کس سے ہوا، کب کیسے سائن کیا؟ کب بابل کا آنگن چھوڑا اسے کچھ احساس نہیں تھا۔ ڈمی کی طرح وہ سارے عمل سے گزر گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فاخرہ نے کمرہ خالی کرنے کو کہا۔

"آپ کہاں چلے دولہا میاں؟" لڑکیوں کے جم غفیر سے ایک نسوانی آواز نے سوال کیا۔

"کیا آپ یہ بھی پوچھ رہی ہیں؟ سارے حقوق اب محترمہ کے نام محفوظ ہو چکے ہیں جو خاموش ہیں۔" وہ کون سا کم تھا۔ برجستہ جواب دے کر شجاع کی تلاش

میں نکل گیا۔ وہ ورکے ہوئے مسافتوں کے لیے سونے کا بندوبست کروا رہی تھی۔ اس کا ہاتھ تھامے وہ اسے پرسکون گوشے میں لے آیا۔

"بھابھی میں نے جو کہا تھا آپ نے کر دیا نا؟"

"کیا کہا تھا؟" شعاع کو یاد نہ آیا۔

"آپ نے سارینا اور اس کی فیملی کو میرے ماضی سے آگاہ کر دیا نا؟"

"نہیں۔"

"بھابھی!" ایک لمحے میں اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ شعاع سے اس دھوکے بازی کی امید نہ تھی۔

"میں نے آپ کو بار بار یاد دہانی کرائی تھی۔" اس کے چہرے پہ یکلخت سناٹا چھا گیا۔

"پاگل مت بنو۔ ولی! گڑے مردے اکھاڑنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے۔" شعاع سمجھانے والے انداز میں گویا تھی۔ جانے وہ صفائی میں کیا کیا بول رہی تھی اسے سنائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ لمحے قبل وہ بہت خوش تھا کہ سارینا حقیقت جان کر اس کی زندگی میں داخل ہوئی ہے۔ لیکن یہ خواب بہت تھوڑی دیر چلا اور پھر ٹوٹ گیا۔ وفا خان کی ہنسی اڑاتی نظریں جگر کے آر پار ہو رہی تھیں۔ وہ اس پہ انگلی اٹھا کر زور زور سے قہقہہ لگا رہی تھی۔

"تم کسی کے دوست تو بن سکتے ہو ولی! مگر کوئی لڑکی تمہیں اپنا شوہر نہیں بنا سکتی۔" وفا خان کی بازگشت سماعت میں پگھلے سیسے کی طرح لگ رہی تھی۔ بے دردی سے لب چباتے اس نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"ولی! میری بات تو سنو۔" شعاع کو اتنے شدید ردعمل کی توقع نہیں تھی۔

"آپ نے میرے ساتھ بہت برا کیا ہے بھابھی! میں شاید آپ کو کبھی معاف نہ کر سکوں۔" وہ مضمحل قدموں سے راہداری میں چلا گیا۔ شعاع سناٹے میں گھر گئی۔ اس نے تو اس کی خوشی کے لیے اس سچ کو چھپایا تھا۔ اس کی نیت اسے دکھ دینے کی تو نہیں تھی۔

زندگی بھر تیرے داغوں سے رہے شرمندہ
اور تو وہ کہ سدا آئینہ خانے مانگے

بعض لوگوں کے نصیب میں بھرپور خوشی نہیں ہوتی۔ اس نے جب بھی دل سے مسکرانے کی کوشش کی تھی کانٹے دل میں چبھ گئے تھے۔ وہ بچپن سے ناکردہ گناہوں کا تاوان دیتا آیا تھا۔ "محبت ولا" میں رچی خاموشی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ سب سو چکے ہیں۔ بالکونی میں کھڑا کب سے وہ ان دیکھی آگ میں دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ اس کے اندر باہر بلا کا حبس تھا۔ اندھیری رات کی طرح دل میں بھی تاریکی تھی۔ چار سو گھپ اندھیرا تھا۔ تمام دوست چلے گئے تھے۔ تجازی اس کی مسکراہٹ پہ مطمئن تھا۔ اور اب۔ شاید وہ پوری رات سبک ہوا کے سنگ گزار دیتا۔ سارین اسے ڈھونڈتا چلا آیا اور اسے اس کے کمرے کے باہر چھوڑ گیا۔ اس کا دل کسی طور اندر جانے کو آمادہ نہیں تھا۔ سہاگ کی سیج سے مہکے ناگ نکل آئے تھے۔ موتیا، گلاب کی معطر خوشبوئیں زہر لگ رہی تھیں لیکن ساری رات وہ [illegible] دروازہ پٹ دھکیل کر اس نے اندر قدم رکھ دیے۔ کل تک جس دھڑلے سے وہ اپنے بیڈ روم میں دندناتا پھرتا تھا اور اب جیسے قدم قدم زنجیر بج رہی تھی۔ اپنا آپ چور بن گیا تھا۔ معصوم لڑکی کو دھوکا دینے کے احساس نے اسے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔ ہوش اڑانے کی حد تک حسین سارینا عروسی روپ میں اس کے بیڈ پہ سمٹی ہوئی تھی۔ اسی بیڈ پہ جس کا کل تک وہ بلا شرکت غیرے مالک ہوا کرتا تھا اور نکاح کے بعد وہ اس کی حصے دار بن گئی تھی۔ پتہ نہیں مارے تھکن کے اس کی آنکھ لگ گئی تھی یا وہ ہی آہستگی سے آیا تھا۔

"بھابھی! آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" اس نے پھر شعاع کے تصور سے شکایت کی۔

سارینا کی پلکیں بند تھیں۔ ایک ہاتھ سینے پہ دھرا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ سر کے اوپر تھا۔ آراستہ پیراستہ قیامت خیز حسن غافل تھا۔ اپنی نگاہوں کو چرائے ہوئے اس نے مجرمانہ احساس سے نظریں پھیر لیں۔ وہ اس وقت تنہائی کا متمنی تھا مگر ایسا کس طور ممکن تھا۔ جھنجلاتے ہوئے اس نے سائیڈ پر پڑا [illegible] ٹیبل پر دے مارا۔ لائٹ سے لگی تمام چیزیں ٹن ٹن کرتی سجدہ ریز ہو گئی تھیں۔ شور سے سارینا کی آنکھ کھل گئی۔ خالی خالی نظروں سے ناسمجھ انداز میں وہ گرد و نواح کا جائزہ لے رہی تھی۔

"ایم سوری آپ ڈسٹرب ہو گئیں۔ چاہیں تو چینج کر کے سو سکتی ہیں۔" طباع ولی قدرے مختلف نظر آ رہا تھا۔ سپاٹ نظروں، بھینچے لب کے ساتھ وہ گویا تھا پھر واش روم میں بند ہو گیا۔ سارینا آنکھیں پھاڑے بند دروازے کو گھورے جا رہی تھی۔ لگ رہا تھا اس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہو۔ وہ ساکت رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

ولیمے کے اگلے ہی روز اس نے اپنی روانگی کا اعلان کر دیا۔ فاخرہ اور تانو نے بہت واویلا مچایا مگر وہ [illegible] فاخرہ کو اعتراض تھا وہ [illegible] ٹل گیا۔ فاخرہ نے اس کا سامان پیک کرنے کی ذمہ داری سارینا کے سپرد کر دی۔ وہ بیڈ روم میں داخل ہوا تو وہ بیڈ پہ سارے کپڑے پھیلائے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ ایک چیئر پہ میگزین لے کر بیٹھ گیا۔ اسے سارینا کی خاموشی پہ حیرانی ہو رہی تھی۔ اس نے شکایت میں ایک حرف نہیں کہا تھا۔ سسکی پہ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"آپ رو کیوں رہی ہیں؟" جواب نہ پا کر اس نے چہرے کے آگے میگزین تان لیا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کے ساتھ چلوں؟" وہ اچھل پڑا۔ سر اٹھائے وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ کل سے آج تک ان کے مابین کتنی باتیں ہوئی تھیں وہ انگلیوں پہ گن سکتا تھا مگر اب مخاطب کا انداز ایسا تھا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ کتنے دھڑلے سے وہ سوال کر رہی تھی۔ کتنا استحقاق تھا نظروں میں۔ وہ اس کی بھیگی متورم گلابی آنکھوں، شبنمی رخساروں، اداس لبوں کو تحیر سے دیکھ رہا تھا۔ کیا وہ اتنا اہم تھا کہ کوئی دوشیزہ اس کے لیے اشک بہاتی؟ مقام حیرت تھا اس کے لیے۔ نگاہ کے پنچھی کو قید کر کے اس نے نخوت سے سوچا تھا۔

"ہونہہ محترمہ کو میری "اصلیت" پتہ چل جائے گی تو یہی نگاہیں مجھ پہ ہنسیں گی۔" اس کے اعصاب تن گئے۔ اس کا جواب نہ پا کر وہ شرٹ تہ کر رہی تھی۔ وہ چوری چوری اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ کپڑے سلیقے سے بیگ میں رکھ کر اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ اور بھی پیک کرنا ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ بیگ کی زپ بند کر کے اس نے سوال کیا۔

"کب آئیں گے؟" اگلا سوال پہلے سے بھی زیادہ زوردار تھا۔ وہ چکرا کے رہ گیا۔

"جب میرا دل چاہے گا۔"

"اور کب چاہے گا آپ کا دل؟"

"یا اللہ! یہ کیا بلا پیچھے پڑ گئی ہے۔" وہ اس کی جسارت پہ حیران تھا۔ وہ بلا جھجک اس کی کالی مخمور آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ بھیگی پلکوں کا سحر سر کر رہا تھا۔ دل کو ڈپٹ کر چپت لگاتے اس نے چڑ کے کہا۔

"کیا سوال پہ سوال کرنا آپ کا مشغلہ ہے؟" اور فضا کھنکتی ہوئی ہنسی سے تادیر گونجتی رہی۔ بھیگی پلکوں کے ساتھ ہنسی کے دلفریب سر بکھیرتی وہ اسے آزمائش سے دوچار کر گئی۔

"آپ کو سوالات اچھے نہیں لگتے تو یقیناً آپ اچھے اسٹوڈنٹ نہیں رہے ہوں گے؟" کیا لڑکی تھی پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ باغی نگاہ اسے چھو کر لوٹ آئی۔ اسے سی آف کرنے سب برآمدے تک آئے تھے۔ سارینا اسے کہیں دکھائی نہ دی۔ شانے اچکا کر وہ تانو کی طرف جھک گیا۔

"جلد آنا بیٹا! سارینا اب تمہاری ذمہ داری ہے۔" اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بولیں۔ وہ غائب دماغی سے سرہلا کے رہ گیا۔ سب مل کر شعاع کے پاس سے غیر محسوس طریقے سے ہٹ گیا۔ شعاع سے بول چال بند تھی اور کسی کو خبر نہ تھی۔ شعاع اس بھی خود کو قصوروار گردان رہی تھی۔ وہ روش سے گزر رہا تھا جب ہی پھولوں کی باڑھ سے خوشنما تتلی کی طرح سارینا نکل آئی۔ اس وقت اس نے ریڈ سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ کالے گھنے بال پشت پہ کھلے ہوئے تھے۔ اس کے قدم تھم گئے۔

"جا رہے ہیں؟" دھیمی آواز میں سوال کیا۔ نظروں کی بے قراری چھپی نہ رہ سکی۔

"ہوں۔" بلیک جینز شرٹ میں ملبوس طباع ولی کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے اس نے بند مٹھی اس کے سامنے کھول دی۔ گلابی ہتھیلی میں سرخ گلاب کی کلی مہک رہی تھی۔

"آپ کے لیے۔" اس کے لب ہولے سے ہلے تھے۔ اس نے ایک لمحے کو اس کی صورت دیکھی پھر خاموشی سے کلی اٹھالی۔ "آپ ایسے نہیں ایسے رکھتے ہیں جناب۔" اس نے کلی ہاتھ سے لے کر جیب پہ لگا دی۔ وہ دم بخود اس کی حرکت دیکھتا رہ گیا جبکہ وہ کہہ رہی تھی۔

"مجھے کپل ایک جیسے رنگوں میں اچھے لگتے ہیں۔" اشارہ اپنے ریڈ سوٹ کی طرف تھا۔ اس نے اپنے سراپے پہ نظر کی۔ بلیک جینز شرٹ میں ریڈ کلی سجا کر اس نے میچنگ کمپلیٹ کر لی تھی۔

"میں انتظار کروں گی۔" لب دھیرے سے ہلے تھے۔ اس کی سانس جیسے حلق میں اٹک گئی تھی۔ جھیل سی آنکھوں میں [illegible] دوڑ گیا۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔" آنکھوں پہ ڈارک گلاسز چڑھاتے وہ پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے پورچ تک آئی۔ گاڑی نکلنے لگی تو اس نے جانے کے جذبے کے زیر اثر اسے مڑ کر دیکھا جو اسے ہی تک رہی تھی۔

"فی امان اللہ۔" وہ فقط یہی کہہ سکا۔ اس کے لب مسکرا دیے۔

"اللہ حافظ۔"

☼ ☼ ☼

تیری جیسی آنکھوں والے ساحل پہ جب آتے ہیں
لہریں شور مچاتی ہیں تو آج سمندر ڈوب گیا

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کے ساتھ چلوں؟" صدا چاروں طرف گونج رہی تھی۔ عجیب خواہش تھی۔ دریچے سے ہٹ کر وہ سر کے نیچے دونوں ہاتھ رکھے دراز ہو گیا۔ دریچے کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ پورا چاند جھروکوں سے جھانک رہا تھا۔ جب بھی ستارے شرارت سے دیکھتے تو وہ بادلوں کے پیچھے چھپ جاتا۔

"کب آئیں گے؟" نیم اندھیرے کمرے میں خوبصورت صدا گونجی پھر آنکھوں میں کئی جگنو [illegible] قہقہے نے فضا کو سحر زدہ کر لیا۔ اس [illegible]

[illegible] لیے۔" قریب ہی سرگوشی ہوئی تھی۔ اس [illegible] "آپ ایسے نہیں ایسے رکھتے ہیں جناب۔" کسی کی حرکت یاد آ گئی۔

"مجھے کپل ایک جیسے رنگوں میں اچھے لگتے ہیں۔" دایاں پیر ہلاتے اس نے غیر ارادی طور پر سوچا۔ "آج اس نے کس رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے۔" "میں انتظار کروں گی۔" کتنا معتبر کر گیا تھا یہ ایک جملہ۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔" تکیہ بھینچتے اس نے خود کو بہلایا۔

جانے نکاح کے بولوں میں کوئی خاص اثر تھا یا سارینا وقار کی شخصیت میں جادوگری تھی جو اس کا دل اس کی طرف کھنچا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

گھر میں داخل ہوتے ہی چوکیدار نے بتایا صاحب کی [illegible] کے گھر مدعو ہیں۔ وہ بخت نے مزہ ہوا۔ بے دلی سے اپنے بیڈروم میں داخل ہوا تو گھنی پلکیں اس کے قدم دہلیز میں جم کر رہ گئے۔ عین سامنے [illegible] آن کھڑی تھی۔ ڈیسک ٹاپ پہ ان کے ولیمے کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ کسی میز پہ جھکے انگلیاں بالوں میں پھنسائے سارینا نگاہ جمائے بیٹھی تھی۔ وہ اتنی وقار بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھ رہی تھی کہ دہلیز پہ کھڑے طباع ولی کی آمد کی بھی خبر نہ ہوئی۔ "دفعتاً" سارینا کی انگلیاں ڈیسک ٹاپ کی طرف اٹھیں۔ اس کی انگلیاں طباع ولی کے نقوش پہ سرسرانے لگیں۔ کئی ثانیے وہ ساکت کھڑا رہا۔ دھپ سے اس نے سفری بیگ وائٹ ماربل پہ پٹخ دیا۔ مخروطی انگلیاں رکھے اس کی ہلکی سی چیخ نکلی۔ جب اس پہ نظر پڑی تو چہرہ کھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ۔" نگاہوں میں شمع جل اٹھی تھی۔ خوشی کی امید کے خوبصورت رنگوں نے اسے نہال کر دیا۔ اس نے اپنا چہرہ سپاٹ ہی رکھا۔

"تم [illegible] کے ساتھ نہیں گئیں؟" اس کے سپاٹ [illegible]

[illegible]

[illegible] جب سمندر غصے میں انہیں اپنی بانہوں میں اٹھا کر کنارے لا پٹختا ہے تو بہت سی دم توڑ دیتی ہیں۔ نازک سیپ کچھ اس کے بھی ارمان تھے کہ وہ بھی [illegible] کرے۔

"میرے دل کو یقین تھا آج آپ آئیں گے۔ سو میں نہیں گئی۔" کہتے ہوئے اس کے چہرے [illegible] روم میں رکھو رہی تھی۔ وہ اس کی پشت پہ نظریں جمائے کھڑا تھا۔

"تم پیکنگ کرلو۔ تمہیں میرے ساتھ جانا ہے۔"

"کب ۔۔۔؟" وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "جب بھی جائیں گے۔ ممانی اور نانو نے فورس کیا ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ رکھوں۔" وہ خواہش اور انا کے بیچ پھنس گیا تھا۔ اس کا مردانہ غرور پوری آب و تاب کے ساتھ ہڑبڑا کر جاگ گیا تھا جو یوں چلے آنے پہ سرزنش کر رہا تھا کوس رہا تھا۔

"کیوں مسٹر ولی! بڑے آئے تھے ہو رہے ہو تمہاری عقیدت" جان کر اس نے تمہیں دھتکار دیا تو کیا کرو گے؟"

"آپ کا دل نہیں چاہتا کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔" اس بات نے دکھ دیا تھا کہ وہ اسے خود لینے نہیں آیا تھا بلکہ رواداری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ وہ پر امید نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کوئی جواب دیے بغیر وہ واش روم میں بند ہو چکا تھا۔ وہ بوجھل قدموں سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ سب ہی نے اس کی آمد پہ خوشی کا اظہار کیا تھا۔ سارینا کو ساتھ لے جانے کا سن کر سب ہی خوش ہوئے تھے۔

"جھا بھی! یہ خوبصورت ایئر ہو سٹس کے جھرمٹ میں رہتا ہے۔ ذرا نظر رکھیے گا اس پہ۔" وہ سب سے ہنس رہی تھی جب زرین کی رگ ظرافت پھڑکی۔

"یہ کہیں بھی جائیں رہیں گے میرے۔ کوئی اور میرے حقوق غصب نہیں کر سکتا۔" اس کے لہجے میں اتنا یقین تھا وہ دمکتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

اک دل کو تیری چاہتوں کے زخم ہم نے
کیے ہیں ذات پہ اپنی بہت ستم ہم نے
کتاب دل پہ وہ صورت ہے نقش کی طرح
بنا دیا ہے محبت کو محترم ہم نے

وہی گھر جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ کچھ دیر پہلے زلزلہ آیا ہے۔ اسی گھر کو اس نے مکمل سنوار دیا تھا۔ فرنیچر کی سیٹنگ بدل دی۔ کچن کی حالت سنوار کر اسے حقیقتاً کچن کا روپ دیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو ایک لمحے کو پہچان ہی نہ پایا۔ آراستہ پیراستہ فلیٹ کسی عورت کی ہنرمندی کی گواہی دے رہا تھا۔

"گھر عورت بھی کیا شے ہے، سکون کی دنیا آنکھوں کی ٹھنڈک۔" وہ سوچ کے رہ گیا۔ واش روم میں صابن شیمپو تاول قرینے سے رکھا دیکھ کر طبیعت سرشار ہو گئی۔ شاور لے کر نکلا تو بال رگڑ کے تاول حسب عادت بیڈ پہ اچھال دیا۔

ٹرے کارپٹ پہ رکھتے ہوئے وہ چائے بنانے لگی۔ پکوڑے اور سموسے بھی موجود تھے۔ کپ سامنے رکھ کر اپنے لیے کپ اٹھانے لگی۔ اس کا مقصد جتانا نہیں تھا مگر وہ نادم نظر آنے لگا۔

"تم نے ناحق جان ماری۔" اس کا اشارہ صفائی ستھرائی کی طرف تھا۔

"یہ میرا گھر ہے۔ اپنے گھر کے لیے میں محنت نہیں کروں گی تو کون کرے گا۔" کہنے میں استحقاق تھا۔ وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔

"ہونہہ اپنا گھر۔ ابھی حقیقت کا پتہ چل جائے تو محترمہ اس گھر کو لات مار کر چلی جائیں گی۔" مسٹرڈ سوٹ اور بلیک و مسٹرڈ دوپٹے میں وہ جچ رہی تھی۔ دل کسی حد تک نازاں تھا۔

تقریباً مہینہ ہو چلا تھا اسے ساتھ رہتے مگر وہ اس کے پل پل بدلتے مزاج کے موسموں سے آشنا نہ ہو پائی تھی۔ اس نے دوسرے کمرے میں سونا شروع کر دیا تھا۔ نہ اس نے بلایا نہ وہ خود گئی۔ محبت اور انا ساتھ ساتھ سفر کریں تو بھی اچھا لگتا ہے۔ ... کب تک خوش رہ سکتا ہے؟ مرد خواہ ... ظاہر ... مگر وہ ... طرف زنگ ... عورت جھکنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ ... بے کار گئی تھی۔

صبح سے رات تک اسے جتا دیکھ کر اچھا نہیں لگتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے آوازیں دینا پڑتی تھیں اور وہ ماتھے پہ بل ڈالے بغیر ایک ایک چیز کا دھیان رکھتی تھی۔ واشنگ سے لے کر ڈسٹنگ تک خود کرتی تھی۔ اس نے ماسی رکھ لینے کو کہا تھا اور اس نے "فضول خرچی" کہہ کر کفایت شعار بیوی کی طرح بات ختم کر دی۔ بعض اوقات وہ اسے "سچ" بتانا چاہتا تھا مگر کوئی نادیدہ چیز اسے روک دیتی تھی۔ دل میں خوف بیٹھ گیا تھا۔ اگر سچ جاننے کے بعد وہ اسے چھوڑ گئی تو وہ کیا کرے گا؟ اس کی چوڑیوں کی کھنک اسے زندگی کا پیغام دیتی تھی۔ اس کے فلیٹ کے در و دیوار اس کی ہنسی کے عادی ہو گئے تھے۔ ان دنوں شاید وہ بہت خود غرض ہو گیا تھا جو اس کے کھو جانے کے ڈر سے سچ بتانے سے گریزاں تھا۔

✿ ✿ ✿

زخم اپنے دل پہ سہتے جا رہے ہیں
ہم وہ ہیں جو یونہی چپکے جا رہے ہیں
تمنا تھی تیری اور چاہا تھا تجھ کو
نگاہوں نے ہر پل ڈھونڈا تھا تجھ کو
محبت نے میری تراشا تھا تجھ کو
اور یادوں میں اپنی بسایا تھا تجھ کو
غلطی ہم اب بھی کیے جا رہے ہیں
یہ ہم وہ ہیں جو یونہی جیے جا رہے ہیں

آج اس کی فلائٹ نہیں تھی اور جب وہ فری ہوتا تھا تو گھر ہی رہتا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ رات گئے گھر آنے لگا تھا۔ وہ کارنر سے فریم شدہ تصویر اٹھا لائی۔ یونیفارم میں مسکراتے اس کے لب کا تل واضح تھا۔ شہادت کی انگلی سے اس نے تل کو چھوا تھا۔

"آج تو تم گھر آؤ دیکھنا کیسے لڑتی ہوں۔" وہ خود کلامی کرتی بالکونی میں نکل آئی۔ نگاہیں مین روڈ پہ موجود [illegible] تھیں۔ [illegible] دمساز و ہمراز حجازی عمر چلا آیا۔

"ولی گھر پہ نہیں ہے۔" سن کر اس نے بھی حیرانی سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دونوں سوئیاں بارہ کے ہندسے پہ ایک دوسرے سے گلے مل رہی تھیں۔

"میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

"نہیں حجازی بھائی! آپ پلیز یہاں بیٹھے رہیں مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ روز دس بجے تک آجاتے ہیں مگر آج۔" وہ از حد پریشان تھی۔ ایسے میں حجازی عمر کی آمد نے ڈھارس دی تھی۔

"آپ فکر مند مت ہوں بھابھی! سڑکیں ناپنے کی پرانی بیماری ہے اسے۔ میں اسی لیے رکا رہا ہوں مجھے جانے دیں میں لے آؤں گا اسے۔" اسے طباع ولی کی لاپروائی حقیقت میں غصہ دلا گئی۔ ستارہ کا فکر مند ہونا اسے رکنے پہ مجبور کر گیا ورنہ ولی کی غیر موجودگی میں وہ کسی صورت رکنے کو تیار نہ تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں کر کے وہ اس کا دھیان بٹانے کی کوشش میں سرگرداں تھا۔ وہ غائب دماغی سے سن رہی تھی۔

"حجازی بھائی! کیا ولی کے ساتھ کوئی پرابلم ہے؟" اس نے جھجکتے ہوئے استفسار کیا۔ عین اسی وقت طباع ولی گھر میں داخل ہوا۔ اس کا سوال اس نے بغور سنا تھا۔

"نہیں تو، وہ تو بالکل فٹ ہے۔ بھابھی ایسا کیوں کہا آپ نے؟" وہ استعجاب سے گویا تھا۔

"چھ ماہ ہو گئے ہیں ہماری شادی کو مگر میں چاہ کے بھی ولی کے مزاج کے موسموں سے واقف نہ ہو پائی۔ باوجود ... ہر روز ایک نیا روپ سامنے آتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بھابھی! آپ اسے سمجھنے کی کوشش کریں گی تو ضرور سمجھ لیں گی۔ اوپر سے بھلے سخت ہے پر اندر سے بہت سوفٹ ہے۔" وہ دوست کی پوزیشن کلیئر کر رہا تھا۔ وہ اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔ سوچ کی پرواز دور تک چلی گئی تھی۔ ایک دکھ کے احساس نے دل پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"حجازی بھائی! کیا وہ اب تک "وفا خان" کو بھلا نہیں سکے؟" سننا تھا کہ جہاں حجازی عمر اچھل پڑا وہیں ستون سے پشت لگائے طباع ولی ساکت رہ گیا۔

"آ... آپ کو کس نے بتایا؟ کیا ولی نے؟" حجازی عمر اس سچویشن میں بری طرح پھنس گیا۔

"وہ تو مجھ سے بلاضرورت بات ہی نہیں کرتے۔" اس نے شکوہ کیا۔

"پھر...؟" وہ متحیر تھا۔ باہر ستون سے لگا وجود بھی جواب کا منتظر تھا۔

"کسی نے نہیں، آپ صرف یہ بتایئے کیا وہ اب بھی وفا کے منتظر ہیں؟" وہ بے حد پراعتماد نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ حجازی گڑبڑا گیا۔

"ولی کے بچے! یہ کہاں پھنسا دیا مجھے۔" وہ دل میں اسے گالیاں دینے لگا۔

"ایسی بات نہیں ہے بھابھی! وہ اسے بھول چکا ہے ورنہ آپ سے کبھی شادی نہ کرتا۔ وہ جان گیا ہے کہ وفا خان فقط سراب تھی۔"

"تو پھر مجھ سے اکھڑے اکھڑے کیوں رہتے ہیں؟" وہ بچہ تو جان لینے پر تلی بیٹھی تھی۔ "آپ اس بات کو بچپنے میں سمجھاؤں گا اس کو" کہ "اسے غصہ آ رہا تھا۔"

"پھر بات تو یہ نکلتی ہے کہ ان کے دل میں اب تک وفا خان ہی بسی ہے جب وہ اس کے بنا رہ نہیں سکتے تھے تو پھر کیوں چھوڑ دیا اسے؟"

"راہو وفا نے بھلی تھی بھابھی!" وہ جیسے گویا ہوا۔ "کیوں ایسی کیا بات تھی؟" وہ جھک کے گویا ہوئی۔

اس لمحے حجازی عمر نے اسے سب کچھ سچ بتانے کی ٹھان لی۔ یہ سچ کبھی تو آشکار ہونا ہی تھا۔ بھی تو انکشاف ہونا ہی تھا تو ابھی سہی۔ شاید اس کا کہا سچ طیبہ ولی کو بھی تیقن پر مجبور کر دیتا۔

"حجازی بھائی! پلیز مجھ سے جھوٹ مت بولیے گا ورنہ مجھے دکھ ہو جائے گا۔" اس کی دوست بڑھ چل لگ رہی تھی۔ اس کی حالت اس مسافر کی سی تھی جو چلتے چلتے تھک کر ستانے کے لیے کسی چھاؤں کا خواہاں ہو۔ طیبہ ولی نے انقلاب راستوں کے بابا تھا۔ رہیں تن کی الجھنیں جھنجھلی گئی تھیں۔ حجازی عمر کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ کی تلخی اس نے محسوس کر لی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا جو ابھی گھر منتقل کے لیے جانے کی خواہش سے وہ سب جانے کے بعد اس سے نفرت کرنے لگے گی۔

"بھابھی! ولی اور وفا دونوں ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے جذبات رکھتے تھے لیکن جب ولی وفا کے باپ سے ملا تو انہوں نے اسے ریجیکٹ کر دیا۔"

"کیوں؟" وہ متعجب تھی۔

"ولی کے بیک گراؤنڈ کے باعث۔ آپ نہیں جانتیں بھابھی۔" طیبہ ولی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ حجازی عمر کا منہ بند کرنے کی کوشش بے دردی سے اب بیانیہ کو طوفان نے تو آنا ہے پھر ابھی کیوں نہیں۔ حجازی بولنے میں دقت ہو رہی تھی۔ سچ بولنا اور سچ سننا کبھی کبھی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

"ولی کے فادر کا شمار کرمنلز میں ہوتا ہے۔ آپ نہیں جانتیں کہ وہ کون تھے؟" اس نے بات مکمل کی۔

"میں جانتی ہوں۔" اس کے لبوں سے نکلے اس جملے نے اندر بیٹھے حجازی عمر اور باہر کھڑے وجود کو ساکت کر دیا۔

"جی!" حجازی عمر حیرت سے مرجانے کی حالت میں تھا۔

"شادی سے پہلے ممانی (فاخرہ) نے ہماری فیملی سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ آپ وفا کے فادر کی بات کر رہے تھے وہ انکل بات جانے کی منتظر تھی۔" اپنی حیرت پر قابو پاتے وہ گویا تھا۔

"ولی کے بیک گراؤنڈ کے باعث وفا نے آنکھیں پھیر لیں۔ یہی بات تو ان کے اختلاف کا باعث تھی۔"

"محبت اچھی بیک گراؤنڈ دیکھ کر نہیں ہوتی۔ محبت کوئی کاروباری معاہدہ تو نہیں کہ پہلے شرائط طے کی جائیں۔ سازگار حالات میں ایک دوجے کا ساتھ نبھائیں اور ناسازگار حالات میں راہیں بدل لیں گے۔ جو لوگ ... حالات میں ... بیچ منجدھار میں اکیلا چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں ان کے دل میں محبت نہیں فریب، دھوکہ ہوتا ہے۔ جو لوگ محبت کا بیج بو کر اسے تناور درخت بننے تک اپنے خون سے سینچتے ہیں ان کی محبت لازوال اور سچی ہوتی ہے جبکہ جو لوگ بیج بوتے وقت ہی ... کو مسلنے کی نیت لے کر چلیں اس پودے کو بار بار قدموں تلے روند کر برباد کر دیں وہ ایسے لوگ قابل نفرت اور ناقابل معافی ہوتے ہیں اور وفا خان کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔" وہ پرجوش انداز میں بول رہی تھی۔ حجازی عمر متاثر ہوئی نظروں سے اسے سراہ رہا تھا۔ باہر کھڑے وجود کے لیے بے یقینی ہی ...

"آپ وفا خان کو کیسے جانتی ہیں؟" اس سے تو ممانی نے بھی ... "وہ جلد از جلد اس الجھی گتھی کو سلجھانے کا خواہش مند تھا۔ باہر کھڑے ولی کو بھی بے چینی ہوئی۔

"نہ صرف اسے جانتی ہوں بلکہ مل بھی چکی

ہوں۔" چند لمحے خاموشی رہی۔ "میں آپ سب کو بھی جانتی ہوں۔" وہ اسے حیران کر رہی تھی۔ دونوں کا سسپنس سے برا حال تھا۔ "میں ان دنوں آنرز کے پہلے سال میں تھی جب آپ ہی ہیں بنے 'مکس اسٹارز' کے کرتا دھرتا بنے۔ آپ لوگ کالج میں مشہور تھے۔ ہر اسٹوڈنٹ آپ کے گروپ کی تعریف کرتے تھے۔ لڑکیاں آپ لوگوں کے گروپ کو ڈسکس کرتی تھیں۔ مجھے ایک فطری خواہش ہوئی تھی آپ لوگوں سے ملنے کی۔ جلد ہی میری خواہش پوری بھی ہو گئی۔ کوئی سیمینار تھا آڈیٹوریم میں میں نے پہلی بار ولی کو تقریر کرتے سنا وہ آپ کے گروپ کو لیڈ کر رہے تھے اور دل ... پتہ نہیں کیسے وہ میرے دل میں گھر کر گئے۔ آپ بھابھی کی طرح ... ایسا ...

"آپ ... کر سکتی ہیں بھابھی!" اس نے حوصلہ بڑھایا، ورنہ آنکھیں تجھ سے چھپی پڑ رہی ہیں۔ وہ نظریں جھکا گیا۔

... ایک ... ضرور ... کالج ... نہ ہوا۔ ان ہی دنوں ولی، وفا خان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ میں ان کی طرف بڑھتی، آپ لوگوں کا گروپ چلا گیا اور میں تہی داماں رہ گئی۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی کسی مرد کے ساتھ دوہری زندگی گزارنے کی قائل نہ تھی۔ ... میرے دل سے یقین ... ولی مجھے ضرور ... ان کی منتظر تھی۔ میں یہاں بھی شادی کو راضی نہ تھی۔ ماما کی ضد کے آگے میں مجبور ہوئی۔ نکاح کے وقت بھی غائب دماغی کا شکار تھی۔ اس زبردستی کے بندھن نے حواس سلب کر دیے تھے۔ میرے اندر ایک جنگ جاری تھی۔ میرے حواس کو جھٹکا تحلہ عروسی میں اس وقت لگا جب میں نے ولی کو دیکھا۔ اس حسین اتفاق کا تو گمان بھی نہیں تھا۔ جب میں نے جانا کہ ولی وہی ہیں جن کی میں منتظر تھی تو اس نے قدرت کا معجزہ ... اور واقعی معجزے تو آج بھی رونما

ہوتے ہیں۔" وہ خاموش ہو گئی تھی جیسے اب بولنے کو کچھ نہ بچا ہو۔ دونوں ہی ششدر رہ گئے تھے۔ "جب وہ وفا خان کو بھول چکے ہیں تو میرے ساتھ ان کا رویہ ایسا کیوں ہے؟" اسے یہ بات اب تک سمجھ نہیں آئی تھی اس لیے پوچھ بیٹھی۔ وہ دوست کی طرفداری کو پوری طرح تیار تھا۔

"جہاں تک ولی کا بیک گراؤنڈ جاننے کے بعد وفا کا رویہ بہت خراب تھا۔ لہٰذا ولی کے لاشعور میں وہی خوف چھپا تھا کہ آپ کا رویہ بھی ویسا ہی ہو گا۔"

"کیوں؟ شعر انکل نے جو کچھ کیا وہ ان کا عمل تھا۔ ان کی مجبوری تھی جس کی سزا بھی انہوں نے پائی۔ اب ایک مرے ہوئے شخص کو برا کہنا بے وقوفی ہے۔ حساب کتاب اللہ اور بندہ جانے۔ سا ولی شعر انکل کے بیٹے ہیں مگر ان کی اپنی الگ شخصیت ہے۔ ولی میں تو ایسی کوئی برائی نہیں کہ میں ان سے نفرت کروں یا منہ موڑوں۔ ہر انسان کی پہچان اس کا اپنا کردار ہوتا ہے۔ کنول کا پھول کیچڑ میں کھلتا ہے مگر لوگ کنول سے تو نفرت نہیں کرتے۔ میں کل بھی ولی کو چاہتی تھی اور سچ جاننے کے بعد بھی اپنی چاہت میں کوئی کمی نہیں پائی۔ طیبہ ولی ہیں میرے شوہر ہیں میرے لیے باعث فخر و عزت و احترام ہیں۔"

"تھینکس بھابھی! آپ بہت اچھی ہیں۔ کاش آپ ہی نے پہل کر دی ہوتی۔" حجازی اس کے خیالات سے از حد متاثر ہوا تھا۔ عین اسی وقت دروازہ بند کرنے کی زوردار آواز آئی تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ چونک گئے۔ حجازی عمر اٹھ کھڑا ہوا۔

"حجازی بھائی! ہمارے درمیان جو باتیں ہوئیں پلیز آپ ولی سے مت کہیے گا۔ یہ بازی میری ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں جیت جاؤں گی۔ محبت کے تقاضے میرے ساتھ ہیں۔" اس کا پرعزم چہرہ دیکھتے وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ایک ثانیے کو دونوں کی نظریں ملی تھیں۔ ایک دوسرے کا انداز سمجھنے والے نظروں سے دلوں کا بھید پا گئے۔

"موقع کو گنوانے کا نام حماقت رکھا گیا ہے۔ جو لوگ

UrduPhoto.com posted by Mina@oneurdu.com

تو نے شکوہ ہے ان کا تذکرہ ہی فضول ہے۔ آنے والے
پل سے اپنے لیے خوشیاں نہ کشید کر سکا تو ساری زندگی
خسارہ جائے گا۔" اس کے شانے پہ دیو وہ انتا مجازی عمر
گھر سے نکل گیا۔

✿ ✿ ✿

کمرہ اندھیرا تھا۔ ایک دو دریچے سے لگا کھڑا تھا۔ اس کا
ایک ایک حرف اس نے بغور سنا تھا۔ کھانا ٹرے میں
لگا کے اس نے کمرے میں قدم رکھا۔ اندھیرے کمرے
کے دریچے سے پورا چاند جھانک رہا تھا۔ ٹرے میز پہ
رکھ کر اس نے فلاش جلا دی۔
"کھانا کھا لیجیے۔" اس کا سر یکا یک انداز میں گھوما۔
وہ اس وقت وہائٹ سوٹ میں بے حد حسین لگ رہی
تھی۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ گہری نظروں سے اس
کے سراپے کا جائزہ لیتا رہا۔
"کھانا۔" وہ اس کے بدلے انداز کو بغور دیکھ رہی
تھی۔ اس نے ٹرے کی طرف نظر کی۔ دال چاول اور
شامی کباب اس کا من پسند کھانا حاضر تھا۔ پھر اس نے
نظریں اس پہ جما دیں۔
"یہاں آؤ۔" بنا جھجکے وہ آگے بڑھ گئی۔
"جی!" اس نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔
"میں کوئی آدم خور تو نہیں جو تمہیں کھا جاؤں گا۔
ذرا قریب آؤ۔" وہ تھک کے گویا ہوا۔ متحیر سی وہ مزید
قریب آگئی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے اسے بازو سے پکڑ کر
مزید قریب کر لیا۔ وہ اس کے مقابل تھی۔ اس کے
شانے تھامے وہ بغور اس کے نقوش دیکھ رہا تھا۔ وہ اس
کا انداز سمجھنے سے قاصر نظر آ رہی تھی۔
"سنو، تم واقعی مجھ سے پیار کرتی ہو؟" اس کے
بڑے رسان سے پوچھنے پہ وہ بری طرح سٹپٹائی۔ مجازی عمر
سے چیٹنگ کی امید نہیں تھی کہ وہ اس کے سامنے
کیا کہتا جب اس نے شانوں سے اس کے ہاتھ ہٹانے
چاہے۔ اس کی کوشش پہ وہ بڑے دل آویز انداز میں
مسکرا دیا تھا۔
"بولو نا۔ کیا واقعی مجھ سے محبت کرتی ہو؟" سوال
دہرایا گیا۔
"چھپ کر کسی کی گفتگو سننا اچھی بات نہیں۔" وہ
سمجھ گئی کہ اس نے ساری گفتگو سن لی ہے۔
"اپنی بیوی کی گفتگو سننا کوئی بری بات تو نہیں ہے۔" وہ
تبسم لب پہ لائے تھا۔ آنکھیں کسی شرارت سے
چھلک رہی تھیں۔ لفظ 'بیوی' پر اس کی حسیات جاگ
اٹھیں جس رشتے کی ڈور سے بندھی قریب تھی وہ
مضبوط تھی۔
"بتاؤ نا۔" اس نے اپنے بازو اس کے شانوں پہ
پھیلا کر دوریاں سمیٹیں۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹ
گئی۔
"نہیں بتاؤں گی۔" اس شخص نے اتنا عرصہ [illegible]
ستایا تھا۔ تھوڑا سا حق تو اسے بھی حاصل تھا۔
"سوچ لو، مجھے بلوانے کے ہزاروں طریقے آتے
ہیں۔" انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔
"آزما لیں۔" وہ مزید دور ہوئی۔ اس نے ہاتھ سینے پہ
باندھ لیے۔
"دوری کا موڈ ہے؟"
[illegible]
[illegible]
"منع نہیں ہو سکتی؟"
"معاف بھی نہیں کرو گی؟"
"نہیں۔"
"اب تک ناراض رہو گی؟" اس کے بگڑے تیور
لطف دے رہے تھے۔
"جب تک میرا دل چاہے گا۔"
"کب تک چاہے گا تمہارا دل؟"
"کیا سوال پہ سوال کرنا آپ کی ہابی ہے؟" اس نے
اسی کا جملہ لوٹایا۔ وہ بے حد محظوظ ہوا۔
"خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔"
"میں لڑکی ہوں۔"
"اچھا ہوا بتا دیا۔ میں سمجھا میری بیوی ہو۔" وہ بے
حد نزدیک چلا آیا۔ پیچھے ہٹنے کی کوشش میں وہ دیوار
سے جا لگی۔ فرار کی راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ اس کو
مسکراتے دیکھ کر سائیڈ سے نکلنا چاہا۔ اس نے شانے پہ
بازو رکھ کر اس کی کوشش ناکام کر دی۔ چند ثانیے دونوں
بے حس و حرکت مقابل کھڑے رہے۔
"معاف نہیں کرو گی مجھے؟" ہولے سے استفسار
ہوا۔ سارینا نے بغور کالی آنکھوں میں دیکھا۔ محبت کا
جہان آباد کیے وہ منتظر تھا۔
"ہم سوری ڈیئر! میری وجہ سے تمہیں اتنی
تکلیف سہنا پڑی۔ میں نے تمہیں بھی زمانے کی گرد
آلود آنکھوں سے دیکھا۔ اب جان گیا ہوں کہ تم اوروں
سے مختلف ہو۔ تم میری محرومیوں کا ثمر ہو۔ پلیز مجھے
معاف کر دو۔ مجھے مکمل کر دو۔" اس کے لفظوں میں
جانے کیا سحر تھا کہ وہ اس کے سینے پہ سر رکھے رو
پڑی۔
"آپ نے کیسے سوچ لیا کہ میں آپ سے نفرت
کرنے لگوں گی۔ ایک بے بنیاد سوچ پہ مجھے خود سے
محروم رکھا۔ کیا میرے لیے آپ کی ذات، آپ کا نام
کافی نہیں تھا؟ ایک کے کیے کی سزا سب کو کیوں؟ اتنی
بے اعتباری کیوں؟" لہجے میں کرب نے ڈیرے ڈال دیے۔
[illegible]
"غلطی ہو گئی۔ تمہیں اندھیرے میں رکھنے کی وجہ
صرف یہی تھی کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔
تمہارے وجود کا عادی بن گیا ہوں۔ تمہیں کھونے کے
خیال سے ہولتی کر رہا تھا۔ دل میں خوف تھا اگر تم مجھے
چھوڑ کر چلی گئیں تو۔" گلے شکوے، خدشے مٹ
رہے تھے۔
"کیوں جاتی آپ کو چھوڑ کر، اتنی مشکلوں سے تو
ملے ہیں۔" وہ جوش جذبات میں کہہ گئی۔
"اچھا وہ کیسے؟" اب وہ اس کی پلکوں سے آنسو
سمیٹ رہا تھا۔
"لیجیے مت۔" اس کے سینے پہ مکا مار کے کہا۔
"تمہارا میاں بچپن سے سنو نیا نہیں۔" سارینا کی
بے لوث محبت رنگ لے آئی تھی۔
"محبت کا وہ یک طرفہ کھیل جو تم اکیلے ہی کھیل رہی
تھیں، کیا اس کھیل کو ہم دونوں مل کر کھیل سکتے
ہیں؟" وہ اس کی طرف جھکا استفسار کر رہا تھا۔ اس کی
آنکھوں میں گزری کسی محبت کا عکس نہیں تھا۔ ساحر
آنکھوں میں محبت کا خمار اس کے لیے تھا۔
اس قدر بھرپور اظہار پہ سارے شکوے مٹ
گئے تھے۔ "آپ بھی بے اعتباری نہ جتانا ورنہ میں
خوب لڑوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔
"شکایت کا موقع ہی نہیں دوں گا۔" اعتبار دلایا
گیا۔
"پھر کسی اور جانب نگاہ تو نہیں کریں گے؟"

تیری زلف کے یہ سائے
بس اب آگے کون جائے
تھم کے تو زندگی کو
یہیں تمام کر لوں

کمر کے گرد حصار مضبوط کر کے شوخی سے گنگناتے
وہ شرارت کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ جھکا 'یقین'
'اعتبار' 'پیار' آنچل سے باندھ رہا تھا۔ ریاضت
ساجاتیں رنگ لے آئی تھیں۔ محبت کی دیوی نے
انہیں حصار میں لے لیا تھا۔

✿ ✿ ✿

UrduPhoto.com
posted by Mina@oneurdu.com